اصلاحی خطبات

- توبہ: گناہوں کا تریاق
- درود شریف: ایک اہم عبادت
- ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی
- بھائی بھائی بن جاؤ
- بیمار کی عیادت کے آداب
- سلام کے آداب
- مصافحہ کے آداب
- چھ زرّین نصیحتیں
- اُمتِ مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟

حضرت مولانا مُفتی مُحمّد تقی عُثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

اِصلاحی خُطبات

(٦)

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات — حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب — محمد عبداللہ میمن صاحب
مقام — جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
اشاعت اوّل — فروری ۱۹۹۶ء
تعداد — دو ہزار
ناشر — میمن اسلامک پبلشرز، فون: ۴۹۲۰۳۳۳
باہتمام — ولی اللہ میمن
قیمت — /- روپے

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ - اما بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ: احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کرکے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشرواشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے

ان کیسٹوں کی تعداد اب دو سو سے زائد ہوگئی ہے انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبداللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں ان کی تخریج

کرکے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے لیکن الحمدللہ: ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت و چہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی، اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

عرض ناشر

الحمد اللہ "اصلاحی خطبات" کی چھٹی جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد خامس کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد سادس کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد اللہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی، اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد سادس کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

تمام قارئین سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرمادے۔ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ولی اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد۔ کراچی

اجمالی فہرست خطبات

تفصیلی فہرست

توبہ ۔ گناہوں کا تریاق

درود شریف ایک اہم عبادت

ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی

بھائی بھائی بن جاؤ

بیمار کی عیادت کے آداب

سلام کرنے کے آداب

مصافحہ کرنے کے آداب

چھ زرّیں نصیحتیں

اُمّتِ مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟

توبہ۔ گناہوں کا تریاق

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــــ محمد عبداللہ میمن

تاریخ ـــــــــ ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۳ء بروز جمعہ

مقام ـــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توبہ
گناہوں کا تریاق

الحمد للہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهدہ اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له. واشهد ان لا اله الا اللہ وحدہ لا شریك له، واشهد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلی اٰله واصحابه وبارك وسلم تسلیمًا کثیرًا، اما بعد:

حضور کا سو مرتبہ استغفار کرنا

وعن الاغر المزنی رضی اللہ عنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول، انه لیغان علی قلبی حتی استغفر اللہ فی الیوم مائة مرة۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منه حدیث نمبر ۲۷۰۲)

حضرت اغر مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا: کبھی کبھی میرے دل پر بھی بادل سا آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اللہ جل جلالہ سے روزانہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں ـــــــ یہ کون فرمارہے ہیں؟ وہ ذات جن کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک اور معصوم پیدا فرمایا، آپ سے کسی گناہ کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں، اور اگر کبھی آپ سے کوئی بھول چوک ہوئی بھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرما دیا گیا کہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک ہماری طرف سے معاف ہے چنانچہ

ارشاد ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ
(سورۃ الفتح ۲)

تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دے۔

اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں ــــــ اس حدیث کی تشریح میں علماء نے فرمایا کہ اس حدیث میں "سو" کا جو عدد آپ نے بیان فرمایا۔ اس سے گنتی بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ استغفار کی کثرت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

گناہوں کے وساوس سب کو آتے ہیں

پھر اس حدیث میں استغفار کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ میں اتنی کثرت سے استغفار اس لئے کرتا ہوں کہ کبھی کبھی میرے دل پر بھی بادل سا چھا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی بتقاضہ بشریت ایک نبی کے دل میں بھی خیالات اور وساوس پیدا ہو سکتے ہیں۔ کوئی آدمی نیکی اور تقوی کے کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے، لیکن گناہوں کی جھلکیوں سے نہیں بچ سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت اعلیٰ اور ارفع ہے، اس مقام تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا، لیکن جتنے اولیاء کرام، صوفیاء عظام، بزرگان دین گزرے ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں کہ ان کے دل میں گناہوں کا کبھی وسوسہ اور خیال بھی نہ آیا ہو، اور کوئی خواہش بھی پیدا نہ ہوئی ہو ــــــ لہذا گناہوں کی جھلکیاں تو بڑوں بڑوں کو آتی ہیں۔ البتہ فرق یہ ہوتا ہے کہ ہم جیسے غافل لوگ تو گناہوں کی ذرا سی جھلکی پر ہتھیار ڈال دیتے ہیں، اور گناہ کا ارتکاب کر لیتے ہیں ــــــ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں، ان کو بھی گناہوں کے خیالات اور وساوس آتے ہیں۔ اور دل میں گناہوں کے ارادے پیدا ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل اور

مجاہدے کی برکت سے وہ خیالات، وساوس اور ارادے کمزور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ارادے انسان پر غالب نہیں آتے؛ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ کا خیال آنے کے باوجود اس خیال پر عمل نہیں ہوتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا

(سورہ یوسف: ۲۴)

یعنی زلیخا نے گناہ کی دعوت دی تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا تھوڑا سا خیال آگیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گناہ سے محفوظ رکھا۔

یہ خیال غلط ہے

لہٰذا تصوف و طریقت کے بارے میں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں قدم رکھنے کے بعد رذائل اور گناہوں کا بالکل ازالہ ہو جائے گا۔ اور پھر گناہوں کا بالکل خیال ہی نہیں آئے گا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ مجاہدہ کرنے اور مشق کرنے کے نتیجے میں گناہوں کے تقاضے مغلوب اور کمزور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ان کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس طریق میں بڑی کامیابی یہی ہے کہ گناہوں کے تقاضے مغلوب اور کمزور پڑ جائیں۔ اور انسان کے اوپر غالب نہ آنے پائیں۔ لیکن یہ سوچنا کہ مجاہدہ کرنے کے بعد دل میں گناہوں کا خیال ہی نہیں آئے گا۔ یہ بات محال ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

جوانی میں توبہ کیجئے

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں گناہ کا داعیہ اور تقاضہ پیدا

فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا"

(سورہ الشمس ۸)

یعنی ہم نے انسان کے دل میں گناہ کا بھی تقاضہ پیدا کیا ہے اور تقوی کا تقاضہ بھی پیدا کیا ہے، اسی میں تو امتحان ہے۔ اس لئے کہ اگر انسان کے دل سے گناہ کا تقاضہ بالکل ختم ہو جائے اور فنا ہو جائے۔ تو پھر گناہوں سے بچنے میں انسان کا کیا کمال ہوا؟ پھر نہ تو نفس سے مقابلہ ہوا، اور نہ شیطان سے مقابلہ ہوا، نہ ان سے معرکہ پیش آیا۔ تو پھر جنت کس کے بدلے ملے گی؟ اس لئے کہ جنت تو اسی بات کا انعام ہے کہ دل میں گناہوں کے تقاضے اور داعیے پیدا ہو رہے ہیں، لیکن انسان ان کو شکست دے کر اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے اور اللہ کی عظمت اور جلال سے ان تقاضوں پر عمل نہیں کرتا۔ تب جا کر انسان کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

یعنی بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے، اس لئے کہ اس وقت نہ منہ میں دانت رہے، اور نہ پیٹ میں آنت رہی، اب ظلم کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ اس لئے اب پرہیزگار نہیں بنے گا تو اور کیا بنے گا! لیکن پیغمبروں کا شیوہ یہ ہے کہ آدمی جوانی کے اندر توبہ کرے، جب کہ قوت اور طاقت موجود ہے۔ اور گناہوں کا تقاضہ بھی شدت سے پیدا ہو رہا ہے۔ اور گناہ کے مواقع بھی میسر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کے خوف سے آدمی گناہوں سے بچ جائے۔ یہ ہے پیغمبروں کا شیوہ۔

بزرگوں کی صحبت کا اثر

بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کوئی اللہ والا ہم پر ایسی نظر ڈال دے اور اپنے

سینے سے لگالے۔ اور سینے سے اپنے انوارات منتقل کر دے اور اس کے نتیجے میں گناہ کا داعیہ ہی دل سے مٹ جائے۔ یاد رکھو، ایسا کبھی نہیں ہو گا، جو شخص اس خیال میں ہے وہ دھوکے میں ہے، اگر ایسا ہو جاتا تو پھر دنیا میں کوئی کافر باقی نہ رہتا، اس لئے کہ پھر تصرفات کے ذریعہ ساری دنیا مسلمان ہو جاتی۔

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک صاحب حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ حضرت، کچھ نصیحت فرمادیجئے، حضرت نے نصیحت فرمادی۔ پھر وہ صاحب رخصت ہوتے ہوئے کہنے لگے کہ حضرت، مجھے آپ اپنے سینے میں سے کچھ عطا فرمادیجئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ سینے میں سے کوئی نور نکل کر ہمارے سینے میں داخل ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں بیڑہ پار ہو جائے اور گناہوں کی خواہش ختم ہو جائے ـــــ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ سینے میں سے کیا دوں۔ میرے سینے میں تو بلغم ہے۔ چاہئے تو لے لو ـــــ بہرحال یہ جو خیال ہے کہ کسی بزرگ کی نگاہ پڑ جائے گی، یا سینے میں سے کچھ مل جائے گا تو سب رذائل دور ہو جائیں گے۔ یہ خیال لغو ہے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

البتہ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت میں تاثیر ضرور رکھی ہے کہ اس کے ذریعہ انسان کی فکر اور سوچ کا رخ بدل جاتا ہے، جس کے نتیجے میں انسان صحیح راستے پر چل پڑتا ہے۔ مگر کام خود ہی کرنا ہو گا، اور اپنے اختیار سے کرنا ہو گا۔

ہر وقت نفس کی نگرانی ضروری ہے

بہرحال، گناہوں کے وساوس اور ارادوں کا بالکل خاتمہ نہیں ہو سکتا، چاہے کسی بڑے سے بڑے مقام تک پہنچ جائے، البتہ کمزور ضرور پڑ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص سالہا سال تک کسی بزرگ کی صحبت میں رہا، اور جو چیز بزرگوں کی صحبت میں حاصل کی جاتی ہے، وہ حاصل بھی ہو گئی۔ اور تکمیل بھی ہو

گئی، اور دل میں خوف، خشیت اور تقویٰ پیدا ہو گیا، نسبت مع اللہ اور تعلق مع اللہ بھی حاصل ہو گیا۔ ان سب چیزوں کے حاصل ہو جانے کے باوجود انسان کو ہر ہر قدم پر اپنی نگرانی رکھنی پڑتی ہے، یہ نہیں ہے کہ اب شیخ بن گئے۔ اور شیخ سے اجازت حاصل ہو گئی تو اب اپنے آپ سے، اپنے نفس سے غافل ہو گئے، اور یہ سوچا کہ اب تو ہم پہنچ گئے۔ اس مقام پر پہنچ گئے کہ اب تو نفس اور شیطان بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، یہ خیال بالکل غلط ہے، اس لئے کہ شیخ کی صحبت کی برکت سے اتنا ضرور ہوا کہ گناہ کا داعیہ کمزور پڑ گیا۔ لیکن نفس کی نگرانی پھر بھی ہر وقت رکھنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ کسی وقت بھی یہ داعیہ دوبارہ زندہ ہو کر انسان کو پریشان کر سکتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش

یعنی اس راہ میں تراش و خراش ہمیشہ کی ہے، حتیٰ کہ آخری سانس آنے تک کسی وقت بھی غافل ہو کر مت بیٹھنا، اس لئے کہ یہ نفس کسی وقت بھی انسان کو دھوکہ دے سکتا ہے۔

ایک لکڑ ہارے کا قصہ

مثنوی میں مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک لکڑ ہارا تھا۔ جو جنگل سے جا کر لکڑیاں کاٹ کر لایا کرتا تھا۔ اور ان کو بازار میں بیچ دیتا تھا، ایک مرتبہ جب لکڑیاں کاٹ کر لایا۔ لکڑیوں کے ساتھ ایک بڑا سانپ بھی لپٹ کر آگیا، اس کو پتہ نہیں چلا۔ لیکن جب گھر پہنچا تو تب اس نے دیکھا کہ ایک سانپ بھی آگیا ہے۔ البتہ اس میں جان نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مردہ ہے اس لئے اس لکڑ ہارے نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ وہیں گھر کے اندر ہی رہنے دیا۔ باہر نکالنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، لیکن جب اس کو گرمی

پہنچی تو اس کے اندر حرکت پیدا ہونی شروع ہو گئی، اور آہستہ آہستہ اس نے رینگنا شروع کر دیا، لکڑہارا غفلت میں لیٹا ہوا تھا۔ اس سانپ نے جاکر اس کو ڈس لیا، اب گھر والے پریشان ہوئے کہ یہ تو مردہ سانپ تھا۔ کیسے زندہ ہو کر اس نے ڈس لیا؟

نفس بھی ایک اژدھا ہے

یہ قصہ نقل کرنے کے بعد مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے نفس کا بھی یہ حال ہے، جب انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر مجاہدات اور ریاضتیں کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں یہ نفس کمزور ہو جاتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب مردہ ہو چکا ہے، لیکن حقیقت میں وہ مردہ نہیں ہوتا۔ اگر انسان اس کی طرف سے غافل ہو جائے تو کسی بھی وقت زندہ ہو کر ڈس لے گا، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۔

نفس اژدھا است مردہ است
از غمے بے آلتی افسردہ است

یعنی یہ انسان کا نفس بھی اژدھا کے مانند ہے ابھی مرا نہیں ہے، لیکن چونکہ مجاہدے اور ریاضتیں کرنے کی چوٹیں اس پر پڑی ہیں۔ اس لئے یہ افسردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن کسی وقت بھی زندہ ہو کر ڈس لے گا۔ لہٰذا کسی لمحے بھی نفس سے غافل ہو کر مت بیٹھو۔

گناہوں کا تریاق "استغفار" اور توبہ

لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے نفس اور شیطان دو زہریلی چیزیں پیدا فرمائی ہیں۔ جو انسان کو پریشان اور خراب کرتی ہیں، اور جہنم کے عذاب کی طرف انسان کو لے جانا چاہتی ہیں۔ اسی طرح ان دونوں کا تریاق بھی بڑا زبردست پیدا فرمایا۔ اللہ

تعالیٰ کی حکمت سے یہ بات بعید تھی کہ زہر تو پیدا فرما دیتے اور اس کا تریاق پیدا نہ فرماتے، اور وہ تریاق اتنا زبردست پیدا فرمایا کہ فوراً اس زہر کا اثر ختم کر دیتا ہے، وہ تریاق ہے "استغفار" "توبہ" لہٰذا جب بھی یہ نفس کا سانپ تمہیں ڈسے، یا اس کے ڈسنے کا اندیشہ ہو تو تم فوراً یہ تریاق استعمال کرتے ہوئے کہو:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ

یہ تریاق اس زہر کا سارا اثر ختم کر دے گا۔ بہر حال، جو بیماری یا زہر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس کا تریاق بھی پیدا فرمایا۔

قدرت کا عجیب کرشمہ

ایک مرتبہ میں جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن کے علاقے میں ریل گاڑی پر سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ پہاڑی علاقے میں گاڑی رک گئی، ہم نماز کے لئے نیچے اترے، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت پودا ہے، اس کے پتے بہت خوبصورت تھے اور وہ پودا بہت حسین وجمیل معلوم ہو رہا تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ اس کے پتے کو توڑ لیں۔ میں نے جیسے ہی اس کے پتے کو توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرے جو رہنما تھے۔ وہ ایک دم زور سے چیخ پڑے کہ حضرت! اس کو ہاتھ مت لگایئے گا، میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ بہت زہریلی جھاڑی ہے۔ اس کے پتے دیکھنے میں تو بہت خوشنما ہیں۔ لیکن یہ اتنا زہریلا ہے کہ اس کے چھونے سے انسان کے جسم میں زہر چڑھ جاتا ہے اور جس طرح بچھو کے ڈسنے سے زہر کی لہریں اٹھتی ہیں۔ اسی طرح اس کے چھونے سے بھی لہریں اٹھتی ہیں ——— میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اور پہلے سے معلوم ہو گیا۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے، دیکھنے میں بڑی خوبصورت ہے ——— پھر میں نے ان سے کہا کہ یہ معاملہ تو بڑا خطرناک ہے۔ اس لئے کہ آپ نے مجھے تو بتا دیا جس کی وجہ سے میں بچ گیا۔ لیکن اگر کوئی انجان آدمی جا کر اس کو ہاتھ لگا دے، وہ تو مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس پر انہوں نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتائی۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جہاں کہیں یہ زہریلی جھاڑی ہوتی ہے۔ اسی کی جڑ میں آس پاس لازماً ایک پودا اور ہوتا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کا ہاتھ اس زہریلے پودے پر لگ جائے تو وہ فوراً اس دوسرے پودے کے پتے کو ہاتھ لگا دے۔ اسی وقت اس کا زہر ختم ہو جائے گا ــــــ چنانچہ انہوں نے اسی کی جڑ میں وہ دوسرا پودا بھی دکھایا۔ یہ اس کا تریاق ہے۔

بس یہی مثال ہے ہمارے گناہوں کی اور استغفار و توبہ کی، لہٰذا جہاں کہیں گناہ کا زہر چڑھ جائے تو فوراً توبہ استغفار کا تریاق استعمال کرو۔ اسی وقت اس گناہ کا زہر اتر جائے گا۔

خلیفۃ الارض کو تریاق دے کر بھیجا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت رکھی، اور پھر اس کو خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا، اور جس مخلوق میں گناہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس کو اپنا خلیفہ بنانے کا اہل بھی قرار نہیں دیا، یعنی فرشتے کہ ان کے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت اور اہلیت موجود نہیں، تو وہ خلافت کے بھی اہل نہیں ــــــ اور انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت بھی رکھی، اور دنیا کے اندر بھیجنے سے پہلے نمونے اور مشق کے طور پر ایک غلطی بھی کروائی گئی، چنانچہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں بھیجا گیا تو یہ کہہ دیا گیا کہ پوری جنت میں جہاں چاہو جاؤ۔ جو چاہو کھاؤ۔ مگر اس درخت کو مت کھانا، اس کے بعد شیطان جنت میں پہنچ گیا۔ اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکا دیا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے اس درخت کو کھا لیا۔ اور غلطی سرزد ہو گئی ــــــ یہ غلطی ان سے کروائی گئی، اس لئے کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن غلطی کروانے کے بعد ان کے

اندر پریشانی، شرمندگی پیدا ہوئی کہ یا اللہ مجھ سے کیسی غلطی ہو گئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو چند کلمات سکھائے۔ اور ان سے فرمایا کہ اب تم یہ کلمات کہو:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

(الاعراف: ۲۳)

قرآن کریم میں یہ فرمایا کہ ہم نے یہ کلمات حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے، یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تھا کہ یہ کلمات ان کو سکھائے بغیر اور ان سے کہلوائے بغیر ویسے ہی معاف فرما دیتے، اور ان سے کہہ دیتے کہ ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، کیوں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ کرا کر ان کو بتا دیا کہ جس دنیا میں تم جا رہے ہو، وہاں یہ سب کچھ ہو گا، وہاں بھی شیطان تمہارے پاس آئے گا، اور نفس بھی لگا ہوا ہو گا۔ اور کبھی تم سے کوئی گناہ کرائے گا۔ کبھی کوئی گناہ کرائے گا، اور تم جب تک ان کے لئے اپنے ساتھ تریاق لے کر نہیں جاؤ گے۔ اس وقت تک دنیا میں صحیح زندگی نہیں گزار سکو گے، وہ تریاق ہے "استغفار اور توبہ" لہذا غلطی اور استغفار دونوں چیزیں ان کو سکھا کر پھر فرمایا کہ اب دنیا میں جاؤ۔ اور یہ تریاق بھی بہت آسان ہے کہ زبان سے استغفار کر لے تو انشاء اللہ وہ گناہ معاف ہو جائے گا۔

"توبہ" تین چیزوں کا مجموعہ

عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک "استغفار" اور ایک "توبہ" اصل ان میں سے "توبہ" ہے اور "استغفار" اس توبہ کی طرف جانے والا راستہ ہے، اور یہ "توبہ" تین چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ جب تک یہ تین چیزیں جمع نہ ہوں، اس وقت تک توبہ کامل نہیں ہوتی، ایک یہ کہ جو غلطی اور گناہ سرزد ہوا ہے اس پر ندامت اور شرمندگی ہو۔ پشیمانی اور دل شکستگی ہو۔ دوسرے یہ کہ جو گناہ ہوا اس کو فی الحال فوراً چھوڑ دے، اور تیسرے یہ کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم

کامل ہو، جب تین چیزیں جمع ہو جائیں۔ تب توبہ مکمل ہوتی ہے۔ اور جب توبہ کر لی تو وہ توبہ کرنے والا شخص گناہ سے پاک ہو گیا، حدیث شریف میں ہے کہ:

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ

(ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ، حدیث نمبر ۴۲۵۰)

یعنی جس نے گناہ سے توبہ کر لی۔ وہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں، صرف یہ نہیں کہ اس کی توبہ قبول کر لی۔ اور نامہ اعمال کے اندر یہ لکھ دیا کہ اس نے فلاں گناہ کیا تھا وہ گناہ معاف کر دیا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم دیکھئے کہ توبہ کرنے والے کے نامہ اعمال ہی سے وہ گناہ مٹا دیتے ہیں، اور آخرت میں اس گناہ کا ذکر فکر بھی نہیں ہو گا کہ اس بندہ نے فلاں وقت میں فلاں گناہ کیا تھا۔

"کراماً کاتبین" میں ایک امیر ایک مامور

بلکہ میں نے ایک بات اپنے شیخ سے سنی، کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ وہ یہ کہ ہر انسان کے ساتھ یہ جو دو فرشتے ہیں۔ جن کو "کراماً کاتبین" کہا جاتا ہے۔ جو انسان کی نیکیاں اور برائیاں لکھتے ہیں، دائیں طرف والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے۔ اور بائیں طرف والا فرشتہ برائیاں لکھتا ہے، تو میرے شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دائیں طرف والے فرشتے کو بائیں طرف والے فرشتے کا امیر مقرر کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جہاں کہیں دو آدمی مل کر کام کریں تو ان میں سے ایک امیر ہو۔ اور دوسرا مامور ہو۔ لہٰذا جب انسان کوئی نیک عمل کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ فوراً اس نیکی کو لکھ لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو نیکی لکھنے میں دوسرے فرشتے سے پوچھنے کی حاجت اور ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ امیر ہے۔ اور بائیں طرف والا فرشتہ چونکہ دائیں طرف والے فرشتے کا ماتحت ہے۔ اس لئے جب بندہ کوئی گناہ اور غلطی کرتا ہے، تو بائیں طرف والا فرشتہ دائیں طرف والے فرشتے

سے پوچھتا ہے کہ اس بندہ نے فلاں گناہ کیا ہے میں اس کو لکھوں یا نہیں؟ تو دائیں طرف والا فرشتہ کہتا ہے، نہیں، ابھی مت لکھو، ابھی ٹھہر جاؤ، ہو سکتا ہے کہ یہ بندہ توبہ کر لے، اگر لکھ لو گے تو پھر مٹانا پڑے گا، تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھتا ہے کہ اب لکھ لوں! وہ کہتا ہے کہ ٹھہر جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ یہ توبہ کر لے، پھر جب تیسری مرتبہ یہ فرشتہ پوچھتا ہے، اور بندہ اس وقت تک توبہ نہیں کرتا تو اس وقت کہتا ہے کہ اب لکھ لو۔

صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ بندہ کو گناہ کے بعد مہلت دیتے ہیں، کہ وہ گناہ سے توبہ کر لے۔ معافی مانگ لے۔ تاکہ اس کے نامہ اعمال میں لکھنا ہی نہ پڑے، لیکن کوئی شخص توبہ نہ کرے تو پھر لکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے لکھنے کے بعد بھی مرتے دم تک دروازہ کھلا ہے کہ جب چاہو، توبہ کر لو، اس کو اپنے نامہ اعمال سے مٹوالو، ایک مرتبہ جب سچے دل سے توبہ کر لو گے تو وہ گناہ تمہارے نامہ اعمال سے مٹا دیا جائے گا، اور جب تک نزع کی حالت اور غرغرہ کی حالت طاری نہ ہو، اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے، "اللہ اکبر" کیسے کریم اور رحیم کی بارگاہ ہے۔ فرمایا:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہ ما درگہ نو امیدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

اگر سو بار توبہ ٹوٹ گئی ہے، تو پھر توبہ کر لو، اور گناہ سے رک جاؤ۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

رات کو سونے سے پہلے توبہ کر لیا کرو

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے۔ جن لوگوں نے ان کی زیارت کی ہے۔ وہ ان کے مقام سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب فہم و فراست عطا فرمائی تھی، عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے، ایک دن وہ توبہ پر بیان فرمارہے تھے، میں بھی قریب میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے چٹکلے ہوا کرتے تھے، ایک آزاد منش نوجوان اس مجلس میں آگیا ـــــ وہ اپنے کسی مقصد سے آیا تھا۔ مگر یہ اللہ والے تو ہر وقت سکھانے اور تربیت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، چنانچہ اس نوجوان سے فرمانے لگے کہ میاں! لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دین بڑا مشکل ہے، ارے یہ دین کچھ بھی مشکل نہیں، بس رات کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیا کرو۔ بس یہی سارا دین ہے۔

گناہ کا اندیشہ عزم کے منافی نہیں

جب وہ نوجوان چلا گیا تو میں نے کہا کہ حضرت! یہ توبہ واقعی بڑی عجیب و غریب چیز ہے۔ لیکن دل میں ایک سوال رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے بے چینی رہتی ہے۔ فرمانے لگے کہ کیا؟ میں نے کہا کہ حضرت! توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ دل میں ندامت ہو، دوسرے یہ کہ فوراً اس گناہ کو چھوڑ دے، تیسرے یہ کہ آئندہ کے لئے یہ عزم کرلے کہ آئندہ یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا۔ ان میں سے پہلی دو باتوں پر تو عمل کرنا آسان ہے کہ گناہ پر ندامت بھی ہو جاتی ہے، اور اس گناہ کو اس وقت چھوڑ بھی دیا جاتا ہے لیکن تیسری شرط کہ یہ پختہ عزم کرنا کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا۔ یہ بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور پتہ نہیں چلتا کہ یہ پختہ عزم صحیح ہوا یا نہیں؟ اور جب عزم صحیح نہیں ہوا تو توبہ بھی صحیح نہیں ہوئی، اور جب

توبہ صحیح نہیں ہوئی تو اس گناہ کے باقی رہنے اور اس کے معاف نہ ہونے کی پریشانی رہتی ہے۔

جواب میں حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جاؤ میاں، تم تو عزم کا مطلب بھی نہیں سمجھتے عزم کا مطلب یہ ہے کہ اپنی طرف سے یہ ارادہ کر لو کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا، اب اگر یہ ارادہ کرتے وقت دل میں یہ دھڑکہ اور اندیشہ لگا ہوا ہے کہ پتہ نہیں، میں اس عزم پر ثابت قدم رہ سکوں گا یا نہیں؟ تو اندیشہ اور دھڑکا اس عزم کے منافی نہیں۔ اور اس اندیشے اور خطرے کی وجہ سے توبہ میں کوئی نقص نہیں آتا، بشرطیکہ اپنی طرف سے پختہ ارادہ کر لیا ہو، اور دل میں یہ جو خطرہ لگا ہوا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر لو کہ یا اللہ، میں توبہ تو کر رہا ہوں۔ اور آئندہ نہ کرنے کا عزم تو کر رہا ہوں۔ لیکن میں کیا؟ اور میرا عزم کیا؟ میں کمزور ہوں۔ معلوم نہیں کہ اس عزم پر ثابت قدم رہ سکونگا یا نہیں؟ یا اللہ، آپ ہی مجھے اس عزم پر ثابت قدم فرما دیجئے۔ آپ ہی مجھے استقامت عطا فرمایئے، جب یہ دعا کر لی تو انشاء اللہ وہ خطرہ اور اندیشہ زائل ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت حضرت بابا صاحب نے یہ بات ارشاد فرمائی، اس کے بعد سے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔

مایوس مت ہو جاؤ

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب تک تمہیں گناہوں سے ڈر لگتا ہو، اور گناہ کر کے دل میں ندامت پیدا ہوتی ہو۔ اس وقت تک مایوسی کا کوئی جواز نہیں۔ ہاں، یہ بات بڑی خطرناک ہے کہ دل سے گناہ کا ڈر مٹ جائے، اور گناہ کرنے کے بعد دل میں کوئی ندامت پیدا نہ ہو، اور

انسان گناہ پر سینہ زوری کرنے لگے، اور اس گناہ کو جائز کرنے کے لئے تاویلیں کرنا شروع کردے۔ البتہ جب تک دل میں ندامت پیدا ہوتی ہو۔ اس وقت تک مایوسی کا کوئی راستہ نہیں۔ ہمارے حضرت یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

سوئے نو امیدی مرو کہ امیدھا ست

سوئے تاریکی مرو کہ خورشیدھا ست

یعنی نا امیدی کی طرف مت جاؤ، کیونکہ امید کے راستے بے شمار ہیں۔ تاریکی کی طرف مت جاؤ کیونکہ بے شمار سورج موجود ہیں۔ لہٰذا توبہ کرلو تو گناہ سب ختم ہو جائیں گے۔

شیطان مایوسی پیدا کرتا ہے

اور جب تک اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھولا ہوا ہے تو پھر مایوسی کیسی؟ یہ جو بعض اوقات ہمارے دل میں خیال آتا ہے کہ ہم تو بڑے مردود ہو گئے ہیں، ہم سے عمل وغیرہ ہوتے نہیں ہیں۔ گناہوں میں مبتلا ہیں، اس خیال کے بعد مایوسی دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو: یہ مایوسی پیدا کرنا بھی شیطان کا حربہ ہے، اس لئے کہ شیطان دل میں مایوسی پیدا کر کے انسان کو بے عمل بنانا چاہتا ہے ـــــ ارے تم یہ دیکھو کہ جس بندہ کا مالک اتنا رحمٰن اور رحیم ہے کہ اس نے مرتے دم تک توبہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو بندہ توبہ کرلے گا، اس کے گناہ نامہ اعمال سے بھی مٹا دیں گے۔ کیا وہ بندہ پھر بھی مایوس ہو جائے؟ اس کو مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر استغفار کرے۔ اور توبہ کرے۔ سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

ایسی تیسی میرے گناہوں کی

ارے ان گناہوں کی کیا حقیقت ہے؟ توبہ کے ذریعے ایک منٹ میں سب اڑ

جاتے ہیں، چاہے بڑے سے بڑے گناہ کیوں نہ ہوں۔ وہی حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس اللہ سرہ، بڑے اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کے اشعار ہم جیسے لوگوں کے لئے بڑی تسلی کے شعر ہوتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

دولتیں مل گئیں ہیں آہوں کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آہوں کی دولت عطا فرما دی کہ دل ندامت سے سلگ رہا ہے، اور انسان اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے، اور ندامت کا اظہار کر رہا ہے تو پھر یہ گناہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ لہٰذا جب توبہ کا راستہ کھلا ہوا ہے تو اب مایوسی کا یہاں گزر نہیں۔

استغفار کا مطلب

بہرحال، "توبہ" کے اندر تین چیزیں شرط ہیں، ان کے بغیر توبہ کامل نہیں ہوتی ـــــ دوسری چیز ہے "استغفار" یہ "استغفار" توبہ کے مقابلے میں عام ہے، استغفار کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگنا، اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنا ـــــ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "استغفار" کے اندر یہ تین چیزیں شرط نہیں، بلکہ استغفار ہر انسان ہر حالت میں کر سکتا ہے، جب کوئی غلطی ہو جائے یا دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو جائے۔ یا عبادت میں کوتاہی ہو جائے، یا کسی بھی طرح کی کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو فوراً استغفار کرے اور کہے کہ:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ

کیا ایسا شخص مایوس ہو جائے؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن کے لئے اصل راستہ توبہ

ہے کہ وہ توبہ کرے، اور تینوں شرائط کے ساتھ کرے، لیکن بعض اوقات ایک شخص بہت سے گناہ چھوڑ دیتا ہے۔ اور جن گناہوں میں مبتلا ہے، ان کو بھی چھوڑنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے لیکن ایک گناہ ایسا رہ گیا۔ جس کو چھوڑنے پر کوشش کے باوجود وہ قادر نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ حالات یا ماحول کی وجہ سے مغلوب ہے، اور اس گناہ کو چھوڑ نہیں پا رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا شخص توبہ سے مایوس اور نا امید ہو کر بیٹھ جائے کہ میں اس کے چھوڑنے پر قادر نہیں، اس لئے میں تو تباہ ہو گیا؟

حرام روزگار والا شخص کیا کرے؟

مثلاً ایک شخص بینک میں ملازم ہے، اور بینک کی ملازمت ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن اس لئے کہ سود کی آمدنی ہے۔ جب وہ دین کی طرف آیا، اور آہستہ آہستہ اس نے بہت سے گناہ چھوڑ دیئے، نماز، روزہ شروع کر دیا۔ اور شریعت کے دوسرے احکام پر بھی عمل کرنا شروع کر دیا۔ اب وہ دل سے توبہ چاہتا ہے کہ میں اس حرام آمدنی سے بھی کسی طرح بچ جاؤں، اور بینک کی ملازمت چھوڑ دوں۔ لیکن اس کے بیوی بچے ہیں، ان کی معاش اور حقوق کی ذمہ داری بھی اس کے اوپر ہے، اب اگر وہ ملازمت چھوڑ کر الگ ہو جائے تو خطرہ اس بات کا ہے کہ پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے۔ جس کی وجہ سے وہ بینک کی ملازمت چھوڑنے پر قادر نہیں ہو رہا ہے، البتہ دوسری جائز ملازمت کی تلاش میں بھی لگا ہوا ہے ____ (بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایسا شخص دوسری ملازمت اس طرح تلاش کرے، جس طرح ایک بے روزگار آدمی ملازمت تلاش کرتا ہے) ____ تو کیا ایسا شخص مایوس ہو کر بیٹھ جائے؟ اس لئے کہ مجبوری کی وجہ سے ملازمت چھوڑ نہیں سکتا، جس کی وجہ سے چھوڑنے کا عزم بھی نہیں کر سکتا، جبکہ توبہ کے اندر چھوڑنے پر عزم کرنا شرط ہے، تو کیا ایسے مبتلا شخص کے لئے توبہ کا کوئی راستہ نہیں

ہے؟

توبہ نہیں، استغفار کرے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے لئے بھی راستہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ سنجیدگی سے کوشش کرنے کے باوجود جب تک کوئی جائز اور حلال روزگار نہیں ملتا، اس وقت تک ملازمت نہ چھوڑے، لیکن ساتھ ساتھ اس پر استغفار بھی کرتا رہے، اس وقت توبہ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ توبہ کے لئے گناہ کا چھوڑنا شرط ہے اور یہاں وہ ملازمت چھوڑنے پر قادر نہیں، اس لئے توبہ نہیں ہو سکتی، البتہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، اور یہ کہے کہ یا اللہ، یہ کام تو غلط ہے، اور گناہ ہے۔ مجھے اس پر ندامت اور شرمندگی بھی ہے لیکن یا اللہ، میں مجبور ہوں، اور اس کے چھوڑنے پر قادر نہیں ہو رہا ہوں۔ مجھے اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ اور مجھے اس گناہ سے نکال دیجئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی یہ کام کرے گا تو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن آئندہ چل کر اس کو گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو ہی جائے گی۔ اور ایک حدیث سے استدلال کیا وہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ما اصر من استغفر

(ترمذی، کتاب الدعوات، باب نمبر ۱۱۹، حدیث نمبر ۳۵۵۴)

یعنی شخص استغفار کرے، وہ اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں ہوتا، اسی بات کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

(آل عمران: ۱۳۵)

یعنی اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ اگر کبھی ان سے غلطی ہو جائے، یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اس وقت وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں

____ اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کی مغفرت کرے ____ اور جو گناہ انہوں نے کیا ہے، اس پر اصرار نہیں کرتے،

اس لئے استغفار تو ہر حال میں کرتے رہنا چاہئے، اگر کسی گناہ کے چھوڑنے پر قدرت نہیں ہو رہی ہے، تب بھی استغفار نہ چھوڑے۔ بعض بزرگوں نے یہاں تک فرمایا کہ جس زمین پر گناہ اور غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اسی زمین پر استغفار کر لے۔ تاکہ جس وقت وہ زمین تمہارے گناہ کی گواہی دے اس کے ساتھ وہ تمہارے استغفار کی بھی گواہی دے کہ اس بندہ نے ہمارے سامنے استغفار بھی کر لیا تھا۔

استغفار کے بہترین الفاظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے، آپ استغفار کے لئے ایسے ایسے الفاظ امت کو سکھا گئے کہ اگر کوئی انسان اپنے ذہن سے سوچ کر ان الفاظ تک پہنچنے کی کوشش بھی کرتا تو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ:

"رب اغفر وارحم، واعف عنا وتکرم وتجاوز عما تعلم، فانک تعلم مالا نعلم انک انت الاعز الاکرم"

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صفا اور مروہ کے درمیان سعی کیا کرتے تھے۔ اس وقت آپ میلین اخضرین (سبز نشان) کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے ____ یعنی اے اللہ، میری مغفرت فرمایئے۔ اور مجھ پر رحم فرمایئے۔ اور میرے جو گناہ آپ کے علم میں ہیں، وہ سب معاف فرما دیجئے، اس لئے کہ آپ کے علم میں ہمارے وہ گناہ بھی ہیں۔ جن کا علم ہمیں بھی نہیں ہے، بیشک آپ ہی سب سے زیادہ معزز اور مکرم ہیں ____

دیکھئے بہت سے گناہ ایسے ہوتے ہیں۔ جو حقیقت میں گناہ ہیں۔ لیکن ہمیں ان کے گناہ ہونے کا احساس نہیں ہوتا، اور بعض اوقات علم نہیں ہوتا، اب

کہاں تک انسان اپنے گناہوں کو شمار کر کے ان کا احاطہ کرے گا؟ اس لئے دعا میں فرما دیا کہ جتنے گناہ آپ کے علم میں ہیں۔ یا اللہ ان سب کو معاف فرما۔

سید الاستغفار

بہتر یہ ہے کہ "سید الاستغفار" (استغفار کا سردار) کو یاد کر لیں۔ اور اسے پڑھا کریں۔ اس کا معمول بنالیں:

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ. اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَكَ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ، فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ"

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب افضل الاستغفار حدیث نمبر ۶۳۰۶)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

یا اللہ! آپ میرے پروردگار ہیں۔ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ نے مجھے پیدا کیا، میں آپ کا بندہ ہوں، اور میں حتی الوسع آپ سے کئے ہوئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، آپ نے جو نعمتیں مجھے عطا فرمائیں انہیں لے کر آپ سے رجوع کرتا ہوں، اور اپنے گناہ سے بھی آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ لہٰذا میرے گناہ معاف فرما دیجئے۔ کیوں کہ آپ کے سوا کوئی گناہ کی مغفرت نہیں کرتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص صبح کے وقت اس کو پورے یقین کے ساتھ پڑھے، تو اگر شام تک اس کا انتقال ہو گیا تو سیدھا جنت میں جائے گا، اور اگر کوئی شخص شام کے وقت پڑھ لے، اور صبح تک اس کا انتقال ہو گیا تو سیدھا جنت میں جائے گا ــــــ لہٰذا صبح شام اس سید الاستغفار کے پڑھنے کا معمول بنا

لیں، بلکہ ہر نماز کے بعد اس کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں، اس لئے کہ اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سید الاستغفار کا لقب دیا۔ یعنی یہ تمام استغفاروں کا سردار ہے، جب استغفار کے یہ کلمات اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو سکھا رہے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو سکھا رہے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اس استغفار کے ذریعہ اپنے بندوں کو نوازنا ہی چاہتے ہیں، اور مغفرت کرنا ہی چاہتے ہیں، اس لئے اس کو معمولات میں ضرور شامل کر لیں۔ اگر چاہیں تو استغفار کے مختصر الفاظ بھی یاد کر لیں، وہ یہ ہیں:

"أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ"

اور اگر صرف: "استغفر اللہ" ہی پڑھ لیا کریں تو بھی ٹھیک ہے۔

بہترین حدیث

"عن ابی هريرة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذی نفسی بیده لو لم تذنبوا لذهب الله تعالیٰ بكم، ولجاء بقوم يذنبون فيستغفرون الله تعالیٰ فيغفر لهم"

(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب سقوط الذنوب بالاستغفار، حدیث نمبر ۲۷۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بات زور دے کر تاکید اور اہتمام کے ساتھ بیان کرنی مقصود ہوتی تو قسم کھا کر وہ بات بیان فرماتے، اور قسم میں بھی یہ الفاظ فرماتے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے) —— اگر تم بالکل گناہ نہ کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہارا وجود ختم کر دیں، اور ایسے لوگوں کو پیدا کریں جو گناہ کریں، اور پھر استغفار کریں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیں۔

انسان کے اندر گناہ کی صلاحیت پیدا کی

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اگر انسان کی تخلیق سے یہ مقصود ہوتا کہ ہم ایسی مخلوق پیدا کریں، جس کے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت ہی موجود نہ ہو۔ تو پھر انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ پھر تو فرشتے بھی کافی تھے۔ اس لئے کہ وہ ایسی مخلوق ہے جو ہر وقت طاعت اور عبادت ہی میں لگی رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس ہی میں مشغول رہتی ہے، اس میں گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں، اگر گناہ کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتی۔

لیکن انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور گناہ دونوں کی صلاحیت ودیعت فرمائی ہے اور پیش نظر یہ تھا کہ انسان میں گناہوں کی صلاحیت ہونے کے باوجود وہ گناہوں سے پرہیز کرے۔ اور اگر کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً استغفار کرے۔ اب اگر انسان یہ عمل نہ کرے تو اس کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر تو فرشتے ہی کافی تھے۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جارہا تھا تو فرشتوں نے یہی کہا تھا کہ یہ آپ کونسی مخلوق پیدا فرما رہے ہیں، جو زمین پر خون ریزی کرے گی۔ فساد مچائے گی، اور ہم آپ کی تسبیح و تقدیس میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ)

میں وہ باتیں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔

یہ فرشتوں کا کمال نہیں

اس لئے کہ گناہ کی صلاحیت ہونے کے باوجود جب یہ مخلوق گناہوں سے اجتناب کرے گی تو یہ تم سے بھی آگے بڑھ جائے گی، اس لئے کہ تم جو گناہوں سے بچ رہے ہو، اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں۔ کیونکہ تمہارے اندر گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔

مثلاً ایک آدمی نابینا ہے۔ اس کو کچھ دکھائی نہیں دیتا، اگر وہ کسی غیر محرم کو نہ دیکھے، فلم نہ دیکھے، فحش قسم کی تصویر نہ دیکھے تو اس میں اس کا کیا کمال ہے؟ اس لئے کہ اس کے اندر دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں، وہ اگر دیکھنا بھی چاہے تو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن ایک شخص وہ ہے جس کی بینائی کامل ہے، ہر چیز دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اور اس کے دل میں خواہشات، امنگیں اور شوق امڈ رہا ہے۔ لیکن اس سارے شوق اور امنگوں کے باوجود وہ اللہ کا بندہ ہونے کا تصور کر کے اپنی آنکھوں کو غلط جگہ پڑنے سے بچاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔

جنت کی لذتیں صرف انسان کے لئے ہیں

خوب سمجھ لیجئے: فرشتے اگرچہ جنت میں رہیں۔ لیکن جنت کی لذتیں ان کے لئے نہیں، جنت کی راحتیں ان کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ ان کے اندر جنت کی لذتوں اور راحتوں کے ادراک کرنے کا مادہ ہی نہیں، جنت کی لذتیں اللہ تعالیٰ نے اسی مخلوق کے لئے پیدا فرمائی ہیں جس کے اندر گناہ کی بھی صلاحیت موجود ہے، اور نیکی کی بھی صلاحیت موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور آپ کی مشیت میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے، اس نے اپنی حکمت بالغہ ہی سے سارا جہاں اس لئے پیدا فرمایا تاکہ اس جہاں کے اندر ایسا انسان تخلیق کریں جس کے اندر گناہ کرنے کی بھی صلاحیت ہو۔ اور پھر وہ گناہ سے رکے، اور اگر کبھی بھول چوک اور بشریت کے تقاضے سے کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً وہ استغفار کرے۔ اور اس استغفار کرنے کے نتیجے میں وہ انسان اللہ تعالیٰ کی غفاری کا، اس کی ستاری کا، اور اس کے غفور رحیم ہونے کا مورد بنتا ہے۔ اب اگر گناہ ہی نہ ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی غفاری کہاں ظاہر ہوتی؟

کفر بھی حکمت سے خالی نہیں

بزرگوں نے فرمایا کہ اس کائنات میں کوئی چیز حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ حتیٰ کہ کفر بھی حکمت سے خالی نہیں، چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

یعنی اس کارخانے میں کفر کی بھی ضرورت ہے، اس لئے کہ اگر بولہب نہ ہوتا۔ یعنی کافر نہ ہوتا تو جہنم کی آگ کس کو جلاتی؟ لہٰذا گناہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ایک حصہ ہے، اور اس گناہ کی خواہش بندہ کے اندر اس لئے پیدا کی گئی، تاکہ بندہ اس خواہش کو کچلے اور اس کو جلائے، کیونکہ بندہ اس خواہش کو جتنا کچلے گا، جتنا جلائے گا، اتنا ہی اس کا تقویٰ کامل ہوگا، اور تقویٰ کا نور اس کو حاصل ہوگا۔

دنیا کی شہوتیں اور گناہ ایندھن ہیں

اللہ تعالیٰ نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو مثال دینے میں کمال عطا فرمایا تھا۔ آپ مثال دینے میں امام تھے۔ فرماتے ہیں کہ ۔

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

یعنی یہ دنیا کی شہوتیں، لذتیں اور گناہ اس لحاظ سے بڑے کام کی چیزیں ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایندھن عطا کیا ہے۔ تاکہ تم اس ایندھن کو جلا کر تقویٰ کا حمام روشن کر سکو۔ اس لئے کہ تقویٰ کا حمام اسی ایندھن کے ذریعہ روشن ہوگا ـــــ لہٰذا جس وقت گناہ کی بھرپور خواہش پیدا ہو رہی ہو۔ گناہ کا تقاضہ دل میں موجیں مار رہا ہو۔ دل مچل رہا ہو، بیتاب ہو رہا ہو۔ اس وقت تم اس خواہش اور اس تقاضے کو اللہ تعالیٰ کے لئے کچل دو۔ جب اس کو کچل دو گے، اور جلا دو گے تو اس کے

ذریعہ تقوی کا حمام روشن ہوگا۔ اور تقوی کا نور حاصل ہوگا ـــــــ اب اگر یہ گناہ کا تقاضہ ہی نہ ہوتا تو تمہیں اس حمام کو روشن کرنے کا یہ ایندھن کہاں سے حاصل ہوتا؟

ایمان کی حلاوت

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص کے دل میں نامحرم پر نگاہ ڈالنے کا تقاضہ اور شوق پیدا ہوا، لیکن اس اللہ کے بندے نے اس شوق اور تقاضے کے باوجود اس نگاہ کو نامحرم پر ڈالنے سے روک لیا۔ اور یہ سوچا کہ میرے اللہ اور میرے مالک نے اس عمل سے منع فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اس تقاضے کو روک لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اگر وہ نظر ڈال لیتا تو اس کو ایسی حلاوت حاصل نہ ہوتی۔ جو اللہ تعالیٰ اس کو نظر نہ ڈالنے کی وجہ سے ایمان کی حلاوت عطا فرمائیں گے، دیکھئے، یہی گناہ کا تقاضہ ایمان کی حلاوت حاصل ہونے کا ذریعہ بن گیا، اگر یہ گناہ کا تقاضہ اور داعیہ نہ ہوتا تو ایمان کی حلاوت حاصل نہ ہوتی۔

گناہ پیدا کرنے کی حکمت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو بندہ سے گناہ کرانا نہیں تو پھر اس گناہ کو پیدا ہی کیوں کیا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس گناہ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی دو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک مصلحت تو یہ ہے کہ جب بندہ پوری کوشش کر کے اس گناہ سے بچنے کا اہتمام کرے گا تو اس کو تقوی کا نور حاصل ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا کیونکہ انسان جتنا جتنا گناہ سے دور ہوتا جائے گا، اسی اعتبار سے اس کے درجات میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا
(الطلاق : ۲)

یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نئے نئے راستے پیدا فرمائیں گے"

توبہ کے ذریعہ درجات کی بلندی

لیکن اپنی پوری کوشش اور اہتمام کے باوجود بتقاضہ بشریت انسان کسی جگہ پھسل گیا، اور گناہ کر لیا۔ تو جب اس گناہ پر وہ استغفار کرے گا اور ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گا، اور یہ کہے گا:

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ

یا اللہ، مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف فرما۔ تو اب اس ندامت اور توبہ کے نتیجے میں اس کے درجات اور زیادہ بلند ہو جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی غفاری اور ستاری کا مظہر بنے گا،

یہ باتیں بہت نازک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو غلط سمجھنے سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔ یاد رکھو، گناہ پر کبھی جرات نہیں کرنی چاہئے، لیکن اگر گناہ ہو جائے تو پھر مایوس بھی نہ ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے توبہ اور استغفار کے راستے اسی لئے رکھے ہیں۔ تاکہ انسان مایوس نہ ہو۔

لہٰذا اگر کبھی گناہ سرزد ہو جائے اور اس کے بعد دل میں ندامت کی آگ بھڑک اٹھے اور اس ندامت کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ توبہ کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے، گڑگڑائے۔ تو اس رونے اور گڑگڑانے کے نتیجے میں بعض اوقات اس کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتا تو اس مقام تک نہ پہنچ سکتا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روزانہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھا کرتے تھے، ایک دن تہجد کا کے وقت آنکھ نہ کھلی۔ حتی کہ تہجد وقت نکل گیا، چونکہ اس سے پہلے کبھی تہجد کی نماز نہیں چھوٹی تھی۔ پہلی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ تہجد کی نماز چھوٹ گئی، چنانچہ اس کی وجہ سے ان کو اس قدر ندامت اور رنج ہوا کہ سارا دن روتے روتے گزار دیا کہ یا اللہ، مجھ سے آج تہجد کی نماز چھوٹ گئی ـــــــ جب اگلی رات کو سوئے تو تہجد کے وقت ایک بزرگوار نے تشریف لا کر آپ کو تہجد کی نماز کے لئے جگانا شروع کر دیا کہ اٹھ کر تہجد پڑھ لو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فوراً اٹھ گئے، اور اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آئے؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہی بدنام زمانہ ابلیس اور شیطان ہوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمہارا کام تو انسان کو غفلت میں مبتلا کرنا ہے۔ نماز کے لئے اٹھانے سے تمہارا کیا کام؟ شیطان نے کہا: اس سے بحث مت کرو، جاؤ، تہجد پڑھو، اور اپنا کام کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، پہلے بتاؤ: کیا وجہ ہے؟ مجھے کیوں اٹھا رہے تھے؟ جب تک نہیں بتاؤ گے، میں نہیں چھوڑوں گا، جب بہت اصرار کیا تو شیطان نے بتایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ گزشتہ رات آپ پر میں نے غفلت طاری کر دی تھی، تاکہ آپ کی تہجد کی نماز فوت ہو جائے، چنانچہ آپ کی تہجد کی نماز فوت ہو گئی، لیکن تہجد چھوٹ جانے کے نتیجے میں آپ نے سارا دن روتے روتے گزار دیا۔ اور اس رونے کے نتیجے میں آپ کے اتنے درجات بلند ہو گئے کہ اگر آپ اٹھ کر تہجد پڑھ لیتے تو آپ کے درجات اتنے بلند نہ ہوتے۔ یہ تو بہت خسارے کا سودا ہوا، اس لئے میں نے سوچا کہ آج آپ کو اٹھا دوں، تاکہ اور زیادہ درجات کی بلندی کا راستہ پیدا نہ ہو۔

ورنہ دوسری مخلوق پیدا کر دیں گے

اس لئے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر انسان سچے دل سے توبہ اور استغفار کرے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت اور شکستگی کے ساتھ حاضر ہو جائے تو بعض

اوقات اس میں انسان کے درجات اتنے زیادہ بلند ہو جاتے ہیں کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ توبہ و استغفار بڑی عظیم چیز ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر ساری مخلوق بالکل گناہ ترک کر دے، تو اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق پیدا فرمادیں گے جو گناہ کرے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ اور استغفار کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

بہر حال، اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عملی تعلیم یہ دی ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو جائے تو مایوس مت ہو جاؤ۔ بلکہ توبہ و استغفار کی طرف رجوع کرو۔۔۔ البتہ اپنی طرف سے گناہ کا اقدام مت کرو۔ بلکہ گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرو، لیکن اگر گناہ ہو جائے تو توبہ و استغفار کر لو۔

گناہ سے بچنا فرض عین ہے

بعض اوقات دل میں خیال ہوتا ہے کہ پھر تو گناہ چھوڑنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ گناہ بھی کرتے رہو، اور استغفار اور توبہ بھی کرتے رہو ۔۔۔ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہ سے بچنا ہر انسان کے ذمے فرض عین ہے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر گوشہ زندگی میں ہر وقت اپنے آپ کو گناہ سے بچائے، لیکن اگر بتقاضہ بشریت کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو مایوس نہ ہو، بلکہ توبہ کر لے ۔۔۔ یا اگر کوئی شخص کسی گناہ میں مبتلا ہے، اور اس کے لئے کسی وجہ سے اس کو چھوڑنا ممکن نہیں ہے، مثلاً بینک کی ملازمت میں مبتلا ہے، تو اس صورت میں وہ دوسری ملازمت اس طرح تلاش کرے جیسے ایک بے روزگار آدمی تلاش کرتا ہے، لیکن ساتھ میں وہ توبہ و استغفار بھی کرتا رہے،

بیماری کے ذریعہ درجات کی بلندی

یا مثلاً آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی کہ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور اس کے ذریعہ درجات بلند ہوتے ہیں، اور بیماری جتنی زیادہ شدید ہوگی، اتنے ہی انسان کے درجات زیادہ بلند ہوں گے۔ لیکن کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے بیماری مانگے؟ یا کوشش کر کے بیمار پڑے؟ تاکہ جب میں بیمار ہوں گا تو میرے گناہ معاف ہوں گے، اور میرے درجات بلند ہوں گے ـــــ ظاہر ہے کہ بیماری ایسی چیز نہیں جس کو مانگا جائے۔ اور جس کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، جس کی تمنا کی جائے۔ بلکہ حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو، کبھی بیماری مت مانگو، لیکن اگر غیر اختیاری طور پر بیماری آجائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھو اور یہ سوچو کہ اس کے ذریعہ ہمارے گناہ معاف ہو رہے ہیں، اور ہمارے درجات بلند ہو رہے ہیں ـــــ بالکل اسی طرح گناہ بھی کرنے کی چیز نہیں، بلکہ باز رہنے کی چیز ہے۔ اجتناب کرنے کی چیز ہے۔ لیکن کبھی حالات کے تقاضے سے مجبور ہو کر گناہ ہو گیا تو پھر انسان توبہ و استغفار کی طرف رجوع کرے، تو اس کے نتیجے میں اس کے درجات بلند ہوں گے، یہ ہے استغفار کی حقیقت۔

توبہ اور استغفار کی تین قسمیں

پھر توبہ اور استغفار کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ایک گناہوں سے توبہ و استغفار (۲) دوسرے طاعات اور عبادات میں ہونے والی کوتاہیوں سے استغفار (۳) تیسرے خود استغفار سے استغفار، یعنی استغفار کا بھی حق ادا نہیں کر سکے، اس سے بھی ہم استغفار کرتے ہیں۔

تکمیل توبہ

پہلی قسم یعنی گناہوں سے استغفار کرنا ہر انسان پر فرض عین ہے۔ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں۔ ہر انسان اپنے سابقہ گناہوں سے استغفار کرے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اور طریقت میں سب سے پہلا قدم "تکمیل توبہ" ہے۔ اگلے تمام درجات "تکمیل توبہ" پر موقوف ہیں۔ جب تک توبہ کی تکمیل نہیں ہوگی آگے کچھ نہیں ہوگا، چنانچہ جب کوئی شخص اپنی اصلاح کے لئے کسی بزرگ کے پاس جاتا ہے تو وہ بزرگ سب سے پہلے توبہ کی تکمیل کراتے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

هو اول اقدام المريدين

یعنی جو شخص کسی شیخ کے پاس مرید ہونے کے لئے جائے تو اس کا سب سے پہلا کام تکمیل توبہ ہے، اور شیخ کے ہاتھ پر جو بیعت کی جاتی ہے، وہ بھی درحقیقت توبہ ہی کی بیعت ہوتی ہے، بیعت کے وقت مرید اپنے پچھلے گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم اور عہد کرتا ہے، اس کے بعد شیخ اس کی توبہ کی تکمیل کراتا ہے۔

توبہ اجمالی

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ تکمیل توبہ کے دو درجے ہیں، ایک "توبہ اجمالی" اور دوسری توبہ تفصیلی۔ "توبہ اجمالی" یہ ہے کہ انسان ایک مرتبہ اطمینان سے بیٹھ کر اپنی پچھلی زندگی کے تمام گناہوں کو اجمالی طور پر یاد کر کے دھیان میں لاکر ان سب سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے۔ "توبہ اجمالی" کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے صلاۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی، انکساری، ندامت اور شرمندگی اور الحاح

وزاری کے ساتھ ایک ایک گناہ کو یاد کر کے یہ دعا کرے کہ یا اللہ، اب تک میری پچھلی زندگی میں مجھ سے جو کچھ گناہ ہوئے ہیں۔ چاہے وہ ظاہری گناہ ہوں یا باطنی، حقوق اللہ سے متعلق ہوئے ہوں، یا حقوق العباد سے متعلق ہوئے ہوں، چھوٹے گناہ ہوئے ہوں، یا بڑے گناہ ہوئے ہوں۔ یا اللہ، میں ان سب سے توبہ کرتا ہوں۔ یہ توبہ اجمالی ہوئی۔

توبہ تفصیلی

لیکن توبہ اجمالی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب بالکل پاک صاف ہو گئے، اب کچھ نہیں کرنا۔ بلکہ اس کے بعد توبہ تفصیلی ضروری ہے، وہ اس طرح کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن ہے، ان کی تلافی کرنا شروع کر دے۔ جب تک انسان ان کی تلافی نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کی توبہ کامل نہیں ہوگی، مثلاً فرض نمازیں چھوٹ گئی تھیں۔ اب جب نمازیں چھوٹ جانے کا خیال آیا تو اب توبہ کر لی، لیکن زندگی کے اندر موت سے پہلے ان نمازوں کو قضا کرنا واجب ہے، اور اگر توبہ کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اور نمازوں کی قضا نہیں کی، تو اس صورت میں توبہ کامل نہیں ہوئی، اس لئے کہ جن گناہوں کی تلافی ممکن تھی۔ ان کی تلافی نہیں کی، لہٰذا اصلاح کے اندر سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کی تکمیل کرے، جب تک یہ نہیں کرے گا۔ اس وقت تک اصلاح ممکن نہیں۔

نماز کا حساب لگائے

توبہ تفصیلی کے اندر سب سے پہلا معاملہ نماز کا ہے، بالغ ہونے کے بعد سے اب تک جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں۔ ان کا حساب لگائے ـــــ بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اس وقت بالغ ہوتا ہے جب اس کو احتلام ہو۔ اور لڑکی اس وقت بالغ ہوتی ہے، جب اس کو حیض آنا شروع ہو جائے، لیکن اگر کسی کے اندر یہ

علامتیں ظاہر نہ ہوں تو اس صورت میں جس دن پندرہ سال عمر ہو جائے اس وقت وہ بالغ ہو جاتا ہے۔ چاہے لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔ اس دن سے اس کو بالغ سمجھا جائے گا۔ اس دن سے اس پر نماز بھی فرض ہے۔ روزے بھی فرض ہیں۔ اور دوسرے فرائض دینیہ بھی اس پر لاگو ہو جائیں گے ــــــ

لہٰذا انسان سب سے یہ حساب لگائے کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں۔ اس وقت سے اب تک کتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں ــــــ بہت سے لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں جو دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اور بچپن ہی سے ماں باپ نے نماز پڑھنے کی عادت ڈال دی۔ جس کی وجہ سے بالغ ہونے کے بعد سے اب تک کوئی نماز قضا ہی نہیں ہوئی۔ اگر ایسی صورت ہے تو سبحان اللہ۔ اور ایک مسلمان گھرانے میں ایسا ہی ہونا چاہئے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کی تلقین کرو۔ اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اس کو مار کر نماز پڑھواؤ ــــــ لیکن اگر بالفرض بالغ ہونے کے بعد غفلت کی وجہ سے نمازیں چھوٹ گئیں، تو ان کی تلافی کرنا فرض ہے، تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کا جائزہ لے کر یاد کرے کہ میرے ذمے کتنی نمازیں باقی ہیں، اگر ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن ہو تو ٹھیک ٹھیک حساب لگا لے، لیکن اگر ٹھیک ٹھیک حساب لگانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ایک محتاط اندازہ کر کے اس طرح حساب لگائے کہ اس میں نمازیں کچھ زیادہ تو ہو جائیں، لیکن کم نہ ہوں۔ اور پھر اس کو ایک کاپی میں لکھ لے کہ "آج اس تاریخ ــــــ میرے ذمے اتنی نمازیں فرض ہیں اور آج سے میں ان کو ادا کرنا شروع کر رہا ہوں، اور اگر میں اپنی زندگی میں ان نمازوں کو ادا نہ کر سکا تو میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے ترکے سے ان نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے" ــــــ

ایک وصیت نامہ لکھ لے

یہ وصیت لکھنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر آپ نے یہ وصیت نہیں

لکھی، اور قضا نمازوں کو ادا کرنے سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں ورثاء کے ذمے شرعاً یہ ضروری نہیں ہو گا کہ آپ کی نمازوں کا فدیہ ادا کریں۔ یہ فدیہ ادا کرنا ان کی مرضی پر موقوف ہو گا۔ چاہیں تو دیں اور چاہیں تو نہ دیں۔ اگر فدیہ ادا کریں گے تو یہ ان کا احسان ہو گا۔ شرعاً ان کے ذمے فرض و واجب نہیں ——— لیکن اگر آپ نے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر دی تو اس صورت میں ورثاء شرعاً اس بات کے پابند ہوں گے کہ وہ کل مال کے ایک تہائی ترکہ کی حد تک اس وصیت کو نافذ کریں، اور نمازوں کا فدیہ ادا کریں۔

——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اس کے پاس کوئی بات وصیت لکھنے کے لئے موجود ہو تو اس کے لئے دو راتیں بھی وصیت لکھے بغیر گزارنا جائز نہیں"

(جامع ترمذی صفحہ ۳۳ ج ۲)

لہٰذا اگر کسی کے ذمے نمازیں قضا ہیں تو اس حدیث کی روشنی میں اس کو وصیت لکھنا ضروری ہے، اب ہم لوگوں کو ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہئے کہ ہم میں سے کتنے لوگوں نے اپنا وصیت نامہ لکھ کر رکھا ہوا ہے، حالانکہ وصیت نامہ نہ لکھنا ایک مستقل گناہ ہے۔ جب تک وصیت نامہ نہیں لکھے گا۔ اس وقت تک یہ گناہ ہوتا رہے گا۔ اس لئے فوراً آج ہی ہم لوگوں کو اپنا وصیت نامہ لکھ لینا چاہئے۔

"قضاء عمری" کی ادائیگی

اس کے بعد ان قضا نمازوں کو ادا کرنا شروع کر دے۔ ان کو "قضاء عمری" بھی کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر وقتی نماز کے ساتھ ایک نماز قضا بھی پڑھ لے، اور اگر کسی کے پاس وقت زیادہ ہو تو ایک سے زیادہ بھی پڑھ سکتا ہے، تاکہ جتنی جلدی یہ نمازیں پوری ہو جائیں اتنا ہی بہتر ہے۔ بلکہ وقتی نمازوں کے

ساتھ جو نوافل ہوتے ہیں، ان کے بجائے قضا نماز پڑھ لے، اور نماز فجر کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد نفلی نماز پڑھنا تو جائز نہیں، لیکن قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اتنی آسانی فرمادی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس آسانی سے فائدہ اٹھائیں۔ اور جتنی نمازیں ادا کرتے جائیں۔ اس کاپی میں ساتھ ہی ساتھ لکھتے جائیں کہ اتنی ادا کر لیں۔ اتنی باقی ہیں۔

سنتوں کے بجائے قضا نماز پڑھنا درست نہیں

بعض لوگ یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ چونکہ ہمارے ذمے قضاء نمازیں بہت باقی ہیں تو کیا ہم سنتیں پڑھنے کے بجائے قضا پڑھ سکتے ہیں؟ تاکہ قضاء نمازیں جلد پوری ہو جائیں ـــــ اس کا جواب یہ ہے کہ سنت موکدہ پڑھنی چاہئے۔ ان کو چھوڑنا درست نہیں۔ البتہ نوافل کے بجائے قضا نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

قضا روزوں کا حساب اور وصیت

اسی طرح روزوں کا جائزہ لیں، جب سے بالغ ہوئے ہیں، اس وقت سے اب تک روزے چھوٹے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں چھوٹے تو بہت اچھا، اگر چھوٹ گئے ہیں تو ان کا حساب لگا کر اپنے پاس وصیت نامہ کی کاپی میں لکھ لیں کہ آج فلاں تاریخ کو میرے ذمے اتنے روزے باقی ہیں۔ میں ان کی ادائیگی شروع کر رہا ہوں اگر میں اپنی زندگی میں ان کو ادا نہیں کر سکا تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ میں سے ان روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اس کے بعد جتنے روزے ادا کرتے جائیں۔ اس وصیت نامہ کی کاپی میں لکھتے جائیں۔ کہ اتنے روزے ادا کر لئے۔ اتنے باقی ہیں۔ تاکہ حساب صاف رہے۔

واجب زکوٰۃ کا حساب اور وصیت

اسی طرح زکوٰۃ کا جائزہ لیں، بالغ ہونے کے بعد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا

ہے۔ لہٰذا بالغ ہونے کے بعد اگر اپنی ملکیت میں قابل زکوٰۃ اشیاء تھیں، اور ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔ تو اب تک جتنے سال گزرے ہیں۔ ہر سال کی علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ نکالیں، اور اس کا باقاعدہ حساب لگائیں۔ اور پھر زکوٰۃ ادا کریں۔ اور اگر یاد نہ ہو تو پھر احتیاط کر کے اندازہ کریں۔ جس میں زیادہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن کم نہ ہو۔ اور پھر اس کی ادائیگی کی فکر کریں۔ اور اس کو اپنے وصیت نامہ کی کاپی میں لکھ لیں۔ اور جتنی زکوٰۃ ادا کر دیں۔ اس کو کاپی میں لکھتے چلے جائیں۔ اور جلد از جلد ادا کرنے کی فکر کریں۔

اسی طرح حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے، اگر حج فرض ہے اور اب تک ادا نہیں کیا، تو جلد از جلد اس سے بھی سبکدوش ہونے کی فکر کریں۔ یہ سب حقوق اللہ ہیں، ان کو ادا کرنا بھی "توبہ تفصیلی" کا ایک حصہ ہے۔

حقوق العباد ادا کرے یا معاف کرائے

اس کے بعد حقوق العباد کا جائزہ لیں، کہ کسی کا کوئی جانی حق یا کسی کا کوئی مالی حق اپنے ذمے واجب ہو۔ اور اب تک ادا نہ کیا ہو۔ تو اس کو ادا کریں یا معاف کرائیں۔ یا کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو، اس سے معاف کرائیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ صحابہ کرام کے مجمع میں کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا کہ:

> "اگر میں نے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہو۔ یا کسی کو کوئی صدمہ پہنچایا ہو۔ یا کسی کا کوئی حق میرے ذمے ہو تو آج میں آپ سب کے سامنے کھڑا ہوں، وہ شخص آکر مجھ سے بدلہ لے لے، یا معاف کر دے۔"

لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معافی مانگ رہے ہیں تو ہم اور آپ کس شمار میں ہیں، لہٰذا زندگی میں اب تک جن جن لوگوں سے تعلقات رہے،

یا لین دین کے معاملات رہے۔ یا اٹھنا بیٹھنا رہا، یا عزیز و اقارب ہیں، ان سب سے رابطہ کر کے زبانی یا خط لکھ کر ان سے معلوم کریں اور اگر ان کا تمہارے ذمے کوئی مالی حق نکلے تو اس کو ادا کریں، اور اگر مالی حق نہیں ہے، بلکہ جانی ہے، مثلاً کسی کی غیبت کی تھی۔ کسی کو برا بھلا کہہ دیا تھا۔ یا کسی کو صدمہ پہنچایا تھا۔ ان سب سے معافی مانگنا ضروری ہے۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اگر کسی شخص نے دوسرے شخص پر ظلم کر رکھا ہے چاہے وہ جانی ظلم ہو یا مالی ظلم ہو، آج وہ اس سے معافی مانگ لے، یا سونا چاندی دے کر اس دن کے آنے سے پہلے حساب صاف کر لے جس دن نہ درہم ہوگا، اور نہ دینار ہوگا، کوئی سونا چاندی کام نہیں آئے گا"

فکر آخرت والوں کا حال

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت کی فکر عطا فرماتے ہیں۔ وہ ایک ایک شخص کے پاس جا کر ان کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ یا ان سے حقوق کی معافی کراتے ہیں، حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے "العذر و النظر" کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر اپنے تمام اہل تعلقات کے پاس بھیجا" جس میں حضرت نے یہ لکھا کہ چونکہ آپ سے میرے تعلقات رہے ہیں۔ خدا جانے کس وقت کیا غلطی مجھ سے ہوئی ہو، یا کوئی واجب حق میرے ذمے باقی ہو۔ خدا کے لئے آج مجھ سے وہ حق وصول کر لیں۔ یا معاف کر دیں۔

——— اس طرح میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے تمام تعلقات رکھنے والوں کو "کچھ تلافی مافات" کے نام سے ایک خط لکھ کر بھجوایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ہمارے بزرگوں کا

یہ معمول رہا ہے، اس لئے ہر آدمی کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یہ سب باتیں "توبہ تفصیلی" کا حصہ ہیں۔

حقوق العباد باقی رہ جائیں تو؟

یہ بات تو اپنی جگہ درست ہے کہ "حقوق اللہ" توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، یا اس کو ادا نہ کرے ــــــ لیکن حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی سے زندگی میں حقوق العباد ضائع ہوئے۔ اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ان حقوق کی ادائیگی کی فکر عطا فرمائی۔ اور توبہ کی توفیق عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں اس نے ان حقوق کی ادائیگی کی فکر شروع کر دی، اور اب لوگوں سے معلوم کر رہا ہے کہ میرے ذمے کس شخص کے کیا حقوق باقی رہ گئے ہیں۔ تاکہ میں ان کو ادا کر دوں، لیکن ابھی ان حقوق کی ادائیگی کی تکمیل نہیں کر پایا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ چونکہ اس نے حقوق کی ادائیگی مکمل نہیں کی تھی، اور معاف بھی نہیں کرائے تھے۔ کیا آخرت کے عذاب سے اس کی نجات اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ جب یہ شخص حقوق کی ادائیگی اور توبہ کے راستے پر چل پڑا تھا، اور کوشش بھی شروع کر دی تھی۔ تو انشاء اللہ، اس کوشش کی برکت سے آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کے اصحاب حقوق کو راضی فرما دیں گے، اور وہ اصحاب حقوق اپنا حق معاف فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا عجیب واقعہ

دلیل میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کا وہ مشہور واقعہ

پیش کیا کہ ایک شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، اس کے بعد اس کو توبہ کی فکر لاحق ہوئی، اب سوچا کہ میں کیا کروں، چنانچہ وہ عیسائی راہب کے پاس گیا، اور اس کو جاکر بتایا کہ میں نے اس طرح ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ تو کیا میرے لئے توبہ کا اور نجات کا کوئی راستہ ہے؟ اس راہب نے جواب دیا کہ تو تباہ ہو گیا۔ اور اب تیری تباہی اور ہلاکت میں کوئی شک نہیں، تیرے لئے نجات کا اور توبہ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر وہ شخص مایوس ہو گیا، اس نے سوچا کہ ننانوے قتل کر دیئے ہیں۔ ایک اور سہی۔ چنانچہ اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ اور سو کا عدد پورا کر دیا۔ لیکن دل میں چونکہ توبہ کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے دوبارہ کسی اللہ والے کی تلاش میں نکل گیا۔ تلاش کرتے کرتے ایک اللہ والا اس کو مل گیا۔ اور اس سے جاکر اپنا سارا قصہ بتایا۔ اس نے کہا کہ اس میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اب تم پہلے توبہ کرو۔ اور پھر اس بستی کو چھوڑ کر فلاں بستی میں چلے جاؤ، اور وہ نیک لوگوں کی بستی ہے۔ ان کی صحبت اختیار کرو۔ چونکہ وہ توبہ کرنے میں مخلص تھا۔ اس لئے وہ اس بستی کی طرف چل پڑا۔ ابھی راستے ہی میں تھا کہ اس کی موت کا وقت آگیا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب وہ مرنے لگا تو مرتے مرتے بھی اپنے آپ کو سینے کے بل گھسیٹ کر اس بستی کے قریب کرنے لگا جس بستی کی طرف وہ جارہا تھا۔ تاکہ میں اس بستی سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو جاؤں۔ آخر کار جان نکل گئی۔ اب اس کی روح لے جانے کے لئے ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب دونوں پہنچ گئے۔ اور دونوں میں اختلاف شروع ہو گیا۔ ملائکہ رحمت کہنے لگے کہ چونکہ یہ شخص توبہ کر کے نیک لوگوں کی بستی کی طرف جارہا تھا۔ اس لئے اس کی روح ہم لے جائیں گے۔ ملائکہ عذاب کہنے لگے کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے اور ابھی اس کی معافی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کی روح ہم لے جائیں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ دیکھا جائے کہ یہ شخص کونسی بستی سے زیادہ قریب ہے، جس بستی سے چلا تھا، اس سے زیادہ قریب ہے۔ یا

جس بستی کی طرف جا رہا تھا، اس سے زیادہ قریب ہے، اب دونوں طرف کے فاصلوں کی پیمائش کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس بستی کی طرف جا رہا تھا اس سے تھوڑا قریب ہے، چنانچہ ملائکہ رحمت اس کی روح لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوشش کی برکت سے اس کو معاف فرما دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبہ۔ باب قبول توبۃ القاتل، حدیث نمبر ۲۷۶۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کے ذمے حقوق العباد تھے، لیکن چونکہ اپنی طرف سے کوشش شروع کر دی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی، اسی طرح جب کسی انسان کے ذمے حقوق العباد ہوں اور وہ ان کی ادائیگی کی کوشش شروع کر دے۔ اور اس فکر میں لگ جائے اور پھر درمیان میں موت آجائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اصحاب حقوق کو قیامت کے دن راضی فرما دیں گے۔

بہرحال، یہ دو قسم کی توبہ کر لیں۔ ایک توبہ اجمالی، اور ایک توبہ تفصیلی، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پچھلے گناہ بھلا دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم یہ دونوں قسم کی توبہ کر لو۔ تو اس کے بعد اپنے پچھلے گناہوں کو یاد بھی نہ کرو، بلکہ ان کو بھول جاؤ۔ اس لئے کہ جن گناہوں سے تم توبہ کر چکے ہو۔ ان کو یاد کرنا۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی ناقدری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرما لیا ہے کہ جب استغفار کرو گے، اور توبہ کرو گے تو میں تمہاری توبہ کو قبول کر لوں گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دوں گا۔ اور تمہارے نامہ اعمال سے مٹا دوں گا ــــــ اب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ لیکن تم الٹا ان گناہوں کو یاد کر کے ان کا وظیفہ پڑھ رہے ہو۔ یہ ان کی رحمت کی ناقدری ہے۔ کیونکہ ان کی یاد بعض اوقات حجاب اور رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس لئے ان کو یاد مت کرو۔

بلکہ بھول جاؤ۔

یاد آنے پر استغفار کر لو

محقق اور غیر محقق میں یہی فرق ہوتا ہے۔ غیر محقق بعض اوقات الٹا کام بتا دیتے ہیں۔ میرے ایک دوست بہت نیک تھے۔ ہر وقت روزے سے ہوتے تھے، تہجد گزار تھے، ایک پیر صاحب سے ان کا تعلق تھا، وہ بتایا کرتے تھے کہ میرے پیر صاحب نے مجھے یہ کہا ہے کہ رات کو جب تم تہجد کی نماز کے لئے اٹھو تو تہجد پڑھنے کے بعد اپنے پچھلے سارے گناہوں کو یاد کیا کرو، اور ان کو یاد کر کے خوب رویا کرو ——— لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ طریقہ درست نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو توبہ کے بعد ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے، اور ہمارے نامہ اعمال سے مٹا دیا ہے۔ لیکن تم ان کو یاد کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہو کہ ابھی ان گناہوں کو نہیں مٹایا۔ اور میں تو ان کو مٹنے نہیں دوں گا، بلکہ ان کو یاد کروں گا تو اس طریقے میں اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کی ناقدری اور ناشکری ہے، اس لئے کہ جب انہوں نے تمہارے اعمال نامے سے ان کو مٹا دیا ہے تو اب ان کو بھول جاؤ۔ ان کو یاد مت کرو، اور اگر کبھی بے اختیار ان گناہوں کا خیال آجائے تو اس وقت استغفار پڑھ کر اس خیال کو ختم کر دو۔

حال کو درست کر لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھی بات بیان فرمائی، یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا کہ جب تم توبہ کر چکو تو پھر ماضی کی فکر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ جب توبہ کر لی تو یہ امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں

گے انشاء اللہ۔ اور مستقبل کی فکر بھی چھوڑ دو کہ آئندہ کیا ہوگا۔ کیا نہیں ہوگا، حال جو اس وقت گزر رہا ہے، اس کی فکر کرو کہ یہ درست ہو جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزر جائے، اور اس میں کوئی گناہ سرزد نہ ہو ـــــــ

آجکل ہمارا یہ حال ہے کہ یا تو ہم ماضی میں پڑے رہتے ہیں کہ ہم سے اتنے گناہ ہو چکے ہیں اب ہمارا کیا حال ہوگا۔ کس طرح بخشش ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مایوسی پیدا ہو کر حال بھی خراب ہو جاتا ہے، یا مستقبل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں کہ اگر اس وقت توبہ کر بھی لی تو آئندہ کس طرح گناہ سے بچیں گے ـــــــ ارے یہ سوچو کہ جب آئندہ وقت آئے گا۔ اس وقت دیکھا جائے گا، اس وقت کی فکر کرو جو گزر رہا ہے اس لئے کہ یہی حال ماضی بن رہا ہے، اور ہر مستقبل کو حال بننا ہے۔ اس لئے بس اپنے حال کو درست کر لو، اور ماضی کو یاد کر کے مایوس مت ہو جاؤ۔ حقیقت میں شیطان ہمیں بھکاتا ہے، وہ یہ ورغلاتا ہے کہ اپنی ماضی کو دیکھو کہ تم کتنے بڑے بڑے گناہ کر چکے ہو۔ اور اپنے مستقبل کو دیکھو کہ تم سے مستقبل میں کیا بنے گا؟ اور ماضی اور مستقبل کے چکر میں ڈال کر ہمارے حال کو خراب کرتا رہتا ہے۔ اس لئے شیطان کے دھوکے میں مت آؤ۔ اور اپنے حال کو درست کرنے کی فکر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ فکر عطا فرمادے۔ آمین۔

عن ابی قلابة رحمه الله تعالیٰ قال: ان الله لما لعن ابلیس سأله النظرة، فانظره الی یوم الدین، قال، وعزتك لا اخرج من قلب ابن آدم مادام فیه الروح، قال الله تعالیٰ وعزتی لا احجب عنه التوبة مادام الروح فی الجسد۔

خیر القرون

حضرت ابو قلابة رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اگر کسی نے اسلام کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو،

اس کو "صحابی" کہتے ہیں، اور جس نے اسلام کی حالت میں کسی صحابی کی زیارت کی ہو۔ اس کو تابعی کہتے ہیں، اور اگر کسی نے اسلام کی حالت میں کسی تابعی کی زیارت کی ہو تو اس کو "تبع تابعی" کہتے ہیں، یہ تین قرون ہیں، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون قرار دیا ہے۔

چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم"

(صحیح بخاری، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے متصل ہیں، اور پھر وہ جو ان کے متصل ہیں ـــــ لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تابعین کو بھی بڑا اونچا مقام عطا فرمایا ہے، حضرت ابو قلابۃ رحمۃ اللہ علیہ بھی تابعین میں سے ہیں، انہوں نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی لیکن متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں۔

حضرات تابعین کی احتیاط اور ڈر

یہ حدیث جو حضرت ابو قلابۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے، اگرچہ اپنے مقولے کے طور پر بیان فرمائی ہے، لیکن حقیقت میں یہ حدیث ہے، اس کہ وہ اپنی طرف سے اپنی عقل سے ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔ اور اپنے مقولے کے طور پر اس لئے بیان فرمایا کہ حضرات تابعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اس لئے کہ کہیں کوئی بات منسوب کرنے میں اونچ نیچ ہو جائے، جس کے نتیجے میں ہماری پکڑ ہو جائے کہ تم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کر دی، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من كذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار"

(صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، اور میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے" اتنی سخت وعید آپ نے بیان فرمائی۔ اس لئے صحابہ کرام اور تابعین حدیث بیان کرتے ہوئے لرزتے تھے۔

حدیث بیان کرنے میں احتیاط کرنی چاہئے

ایک تابعی ایک صحابی کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ جب وہ صحابی ہمارے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرماتے تو اس وقت ان کا چہرہ پیلا پڑ جاتا تھا، اور بعض اوقات ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، کہ کہیں کوئی بات بیان کرنے میں غلطی ہو جائے ــــــ حتی کہ بعض صحابہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی، یا اس جیسی، یا اس قسم کی بات بیان فرمائی تھی، ہو سکتا ہے کہ میرے سے بیان کرنے میں کچھ الٹ پھیر ہو گیا ہو، یہ سب اس لئے کرتے تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات غلط منسوب کرنے کا گناہ نہ ہو ــــــ اس سے ہمیں اور آپ کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہم لوگ بسا اوقات تحقیق اور احتیاط کے بغیر احادیث بیان کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ ذرا سی کوئی بات کہیں سنی، فوراً ہم نے کہہ دیا کہ حدیث میں یوں آیا ہے، حالانکہ یہ دیکھئے کہ صحابہ کرام جنہوں نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں سنیں۔ وہ کتنی احتیاط کر رہے ہیں۔ لیکن ہم اس میں احتیاط نہیں کرتے، اس لئے احادیث بیان کرنے میں ہمیشہ بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے، جب تک ٹھیک ٹھیک الفاظ معلوم نہ ہوں، اس وقت تک اس

کو حدیث کے طور پر بیان نہیں کرنا چاہئے ــــــ اس حدیث میں دیکھئے کہ حضرت ابو قلابۃ رحمۃ اللہ علیہ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، بلکہ اس کو اپنے قول کے طور پر فرما رہے ہیں، حالانکہ حقیقت میں یہ حدیث ہے۔

بہرحال، وہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو راندۂ درگاہ کیا ــــــ ہر مسلمان کو یہ واقعہ معلوم ہے کہ ابلیس کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے۔ اس نے انکار کر دیا کہ میں تو سجدہ نہیں کرتا، اس انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو راندۂ درگاہ کر دیا۔

ابلیس کی بات درست تھی، لیکن

ایک بات یہاں یہ سمجھ لیں کہ اگر غور کیا جائے تو بظاہر ابلیس جو بات کہہ رہا تھا، وہ کوئی بری بات نہیں تھی۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہتا کہ یہ پیشانی تو آپ کے لئے خاص ہے۔ یہ پیشانی تو صرف آپ کے سامنے جھک سکتی ہے۔ کسی اور کے سامنے نہیں جھک سکتی۔ یہ خاکی پتلہ جس کو آپ نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اس کو میں سجدہ کیوں کروں؟ میرا سجدہ تو آپ کے لئے ہے ــــــ تو بظاہر یہ بات غلط نہیں تھی۔ لیکن یہ بات اس لئے غلط ہوئی کہ جس ذات کے آگے سجدہ کرنا ہے۔ جب وہ ذات خود ہی حکم دے رہی ہے کہ اس خاکی پتلے کو سجدہ کرو۔ تو اب چوں و چرا کی مجال نہ ہونی چاہئے تھی، اس حکم کے بعد پھر اپنے عقلی گھوڑے نہیں دوڑانے چاہئے تھے کہ یہ خاکی پتلہ سجدہ کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟

دیکھئے: فی الواقع آدمی سجدہ کے لائق تو نہیں تھا۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری امت اس دنیا میں آئی تو ہمیشہ کے لئے یہ حکم دے دیا گیا کہ اب کسی انسان کو سجدہ کرنا جائز نہیں، معلوم ہوا کہ اصل حکم یہی تھا کہ انسان کو سجدہ کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ ہی حکم

فرمائیں کہ سجدہ کرو تو اب عقل کھوڑے نہیں دوڑانے چاہییں۔ شیطان نے پہلی غلطی یہ کی کہ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔

میں آدم سے افضل ہوں

دوسری غلطی یہ کی کہ شیطان نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ یہ پیشانی تو آپ کے لئے ہے، بلکہ یہ وجہ بتائی کہ اس آدم کو آپ نے مٹی سے بنایا ہے، اور مجھے آپ نے آگ سے بنایا ہے، اور آگ مٹی سے افضل ہے، اس لئے میں اس کو سجدہ نہیں کرتا، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس کو راندہ درگاہ کر دیا، اور حکم دے دیا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔

اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگ لی

بہرحال، جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو راندۂ درگاہ کیا، اس وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی، اور کہا:

"اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ"

(الاعراف: ۱۴)

اے اللہ، مجھے اس وقت تک کی مہلت دے دیجئے جس وقت آپ لوگوں کو اٹھائیں گے یعنی میں قیامت تک زندہ رہوں، مجھے موت نہ آئے،

شیطان بڑا عارف تھا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ "ابلیس" اللہ تعالیٰ کی بہت معرفت رکھتا تھا۔ بہت بڑا عارف تھا، کیونکہ ایک طرف تو اس کو دھتکارہ جارہا ہے۔ راندۂ درگاہ کیا جارہا ہے، جنت سے نکالا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب نازل ہورہا ہے، لیکن عین غضب کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ لی، اور مہلت مانگ لی۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ

غضب سے مغلوب نہیں ہوتے، اور غضب کی حالت میں بھی اگر ان سے کوئی چیز مانگی جائے تو وہ دے دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے مہلت مانگ لی۔

میں موت تک اس کو بہکاتا رہوں گا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ:

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝

(الحجر: ۳۸)

ہم تمہیں قیامت تک کے لئے مہلت دیتے ہیں، تمہیں قیامت تک موت نہیں آئے گی، جب مہلت مل گئی تو اب اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے اللہ، میں آپ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ابن آدم کے دل سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا، جب تک اس کے جسم میں روح باقی ہے، یعنی موت آنے تک نہیں نکلوں گا۔ اور یہ ابن آدم جس کی وجہ سے مجھے راندۂ درگاہ ہونا پڑا، اس کے دل میں غلط قسم کے خیالات ڈالتا رہوں گا، اس کو بہکاتا رہوں گا، گناہوں کی خواہش، اس کے داعیے، اس کے محرکات اس کے دل میں پیدا کرتا رہوں گا، اور اس کو گناہوں کی طرف مائل کرتا رہوں گا، جب تک وہ زندہ ہے۔

میں موت تک توبہ قبول کرتا رہوں گا

شیطان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی عزت کی قسم کھائی، اور فرمایا کہ میری عزت کی قسم، میں اس ابن آدم کے لئے توبہ کا دروازہ بھی اس وقت تک بند نہیں کروں گا، جب تک اس کے جسم میں روح باقی ہے، تو میری عزت کی قسم کھاتا ہے کہ میں نہیں نکلوں گا، میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند نہیں کروں گا، تو اگر زہر ہے۔ تو میں نے ہر ابن آدم کو اس زہر کا

تریاق بھی دے دیا ہے کہ اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، جب ابن آدم گناہوں سے توبہ کر لے گا تو میں تیرے سارے مکر و فریب اور تیرے سارے بہکاوے کو اس توبہ کے نتیجے میں ایک آن میں ختم کر دوں گا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لئے اپنی رحمت کا عام اعلان فرمادیا، اور فرمادیا کہ یہ مت سمجھنا کہ ہم نے کوئی مافوق الفطرت طاقت شیطان کی صورت میں تمہارے اوپر مسلط کر دی ہے، جس سے تم نجات نہیں پا سکتے۔

شیطان ایک آزمائش ہے

بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے شیطان کو صرف تمہاری ذرا سی آزمائش اور امتحان کے لئے پیدا کر دیا ہے، ہم نے ہی اس کو بنایا، اور ہم نے ہی اس کو بہکانے کی طاقت دی ہے۔ لیکن ایسی طاقت نہیں دی کہ تم اس کو زیر نہ کر سکو۔ قرآن نے صاف اعلان کر دیا کہ:

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا

(النساء:۷۶)

یعنی شیطان کا مکر بہت کمزور ہے، اور اتنا کمزور ہے کہ اگر کوئی شخص اس شیطان کے آگے ڈٹ جائے کہ تیری بات نہیں مانوں گا، تو جس گناہ پر آمادہ کرنا چاہ رہا ہے میں وہ گناہ نہیں کروں گا تو شیطان اسی وقت پگھل جاتا ہے۔ یہ شیطان بزدلوں پر اور ان لوگوں پر شیر ہو جاتا ہے جو اپنی ہمت سے کام لینے سے جی چراتے ہیں۔ اور جو گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ ہی نہیں کرتے، لیکن بالفرض اگر اس کا داؤ چل جائے، اور کوئی بے ہمت آدمی اس کی بات مان لے تو پھر میں نے توبہ کا تریاق پیدا کر دیا ہے، ہمارے پاس آجاؤ، اور اپنے گناہوں کا اقرار کر لو کہ "یا اللہ، ہم سے غلطی ہو گئی، اور اپنے گناہ سے توبہ کرو، اور کہو، استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ، تو اس کے نتیجے میں شیطان کا سارا اثر ایک لمحے میں زائل ہو جائے گا۔

بہترین گناہ گار بن جاؤ

چنانچہ اسی وجہ سے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

کلکم خطائون، وخیر الخطائین التوابون

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، باب المومن یری ذنبہ کالجبل فوقہ)

تم میں سے ہر شخص بہت خطا کار ہے، عربی میں "خطاء" اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ غلطیاں کرے، اور جو معمولی غلطی کرے اس کو عربی میں "خاطی" کہتے ہیں۔ یعنی غلطی کرنے والا، اور "خطاء" کے معنی ہیں: بہت زیادہ غلطی کرنے والا، تو فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص بہت خطا کار ہے۔ لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ خطا کاروں میں سے سب سے بہتر خطا کار وہ ہے۔ جو توبہ بھی بہت کرتا ہے ـــــ اس حدیث میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ دنیا کے اندر تم سے گناہ بھی ہوں گے، گناہوں کے داعیے بھی پیدا ہوں گے، لیکن ان کے آگے ڈٹ جانے کی کوشش کرو، اور اس کے آگے جلدی سے ہتھیار مت ڈالا کرو، اور اگر کبھی گناہ ہو جائے تو پھر مایوس ہونے کے بجائے ہمارے حضور حاضر ہو کر توبہ کر لیا کرو" یہاں بھی "تواب" کا صیغہ استعمال کیا۔ "تائب" نہیں کہا، اسلئے کہ تائب کے معنی ہیں "توبہ کرنے والا" اور "تواب" کے معنی ہیں "بہت توبہ کرنے والا" مطلب یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ توبہ کر لینا کافی نہیں، بلکہ ہر مرتبہ جب بھی گناہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے رہو، اور جب کثرت سے توبہ کرو گے تو پھر انشاء اللہ شیطان کا داؤ نہیں چلے گا، اور شیطان سے حفاظت رہے گی۔

اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی

الله علیه وسلم یقول، جعل الله الرحمة مائة جزء، فامسک عنده تسعة وتسعین، وانزل فی الارض جزء واحدا، ذٰلک بجزء یتراحم الخلائق حتی ترفع لدابته حافرها عن ولدها خشیة ان تصیبه:

(صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة الله تعالٰی)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رحمت پیدا فرمائی ہے، اس کے سو حصے کئے ہیں، ان سو میں سے صرف ایک حصہ رحمت کا اس دنیا میں اتارا ہے، جس کی وجہ سے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر رحمت کا ترس کھانے کا اور شفقت کا معاملہ کرتے ہیں۔ جیسے باپ اپنے بیٹے پر رحم کر رہا ہے۔ یا ماں اپنے بچوں پر رحم کر رہی ہے، بھائی بھائی پر رحم کر رہا ہے۔ بھائی بہن پر کر رہا ہے، یا ایک دوست دوسرے دوست پر کر رہا ہے، گویا دنیا میں جتنے لوگ بھی آپس میں شفقت اور رحم کا معاملہ کر رہے ہیں۔ وہ ایک حصہ رحم کا نتیجہ اور طفیل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں نازل فرمایا، حتیٰ کہ گھوڑی کا بچہ جب دودھ پینے کے لئے آتا ہے تو وہ گھوڑی اپنا پاؤں اٹھالیتی ہے۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دودھ پینے کے دوران یہ پاؤں بچے کو لگ جائے، یہ بھی اس سویں حصے کا ایک جز ہے۔ اور ننانویں حصے رحمت کے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے ہیں، ان کے ذریعہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت کا مظاہرہ فرمائیں گے۔

اس ذات سے مایوسی کیسی؟

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بتا دیا کہ کیا تم لوگ اس ذات کی رحمت سے مایوس ہوتے ہو، جس ذات نے تمہارے لئے آخرت میں اتنی ساری رحمتیں اکٹھی کر کے رکھی ہوئی ہیں، اس ذات سے مایوسی کا اظہار کرتے ہو؟ کیا وہ اپنی رحمت سے تم کو دور کر دے گا؟ البتہ صرف اتنی بات

ہے کہ ان رحمتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی دیر ہے۔ اور ان رحمتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے گناہوں سے توبہ کرو، استغفار کرو، گناہوں کو چھوڑو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، جتنا رجوع کرو گے، اور توبہ استغفار کرو گے، اتنا ہی اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہوگی، اور آخرت میں تمہارا بیڑہ پار کر دے گی۔

صرف تمنا کرنا کافی نہیں

لیکن یہ رحمت اس شخص کو فائدہ دے گی جو یہ چاہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے فائدہ اٹھالوں، اب اگر کوئی شخص اس رحمت سے فائدہ اٹھانا ہی نہ چاہے، بلکہ ساری عمر غفلت ہی میں گزار دے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے تمنا رکھے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے، ایسے لوگوں کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

العاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللّٰہ

(ترمذی، صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۲۶)

عاجز شخص وہ ہے جو خواہشات کے پیچھے دوڑا چلا جارہا ہے، اور اللہ تعالیٰ پر امیدیں باندھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہیں، معاف فرمادیں گے ــــــ ہاں، البتہ جو شخص اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہو، اور کوشش کر رہا ہو، پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت انشاء اللہ اس کو آخرت میں ڈھانپ لے گی۔

ایک شخص کا عجیب واقعہ

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی امتوں کے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک شخص تھا، جس نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا تھا۔ بڑے بڑے گناہ

کئے تھے، بڑی خراب زندگی گزاری تھی، اور جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے گھر والوں سے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی زندگی کو گناہوں اور غفلتوں میں گزار دی ہے، کوئی نیک کام تو کیا نہیں ہے، اس لئے جب میں مر جاؤں تو میری نعش کو جلا دینا، اور جو راکھ بن جائے، تو اس کو بالکل باریک پیس لینا، پھر اس راکھ کو مختلف جگہوں پر تیز ہوا میں اڑا دینا، تاکہ وہ ذرات دور دور تک چلے جائیں۔ یہ وصیت میں اس لئے کر رہا ہوں کہ اللہ کی قسم: اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آگیا تو مجھے اللہ تعالیٰ ایسا عذاب دے گا کہ ایسا عذاب دنیا میں کسی اور شخص کو نہیں دیا ہو گا، اس لئے کہ میں نے گناہ ہی ایسے کئے ہیں کہ اس عذاب کا مستحق ہوں۔

جب اس شخص کا انتقال ہو گیا تو اس کے گھر والوں نے اس کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی نعش کو جلایا، پھر اس کو پیسا، اور پھر اس کو ہواؤں میں اڑا دیا، جس کے نتیجے میں اس کے ذرات دور دور تک بکھر گئے ـــــ یہ تو اس کی حماقت کی بات تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ میرے ذرات کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کے سارے ذرات جمع کر دو، جب ذرات جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو دوبارہ مکمل انسان جیسا تھا ویسا بنا دیا جائے، چنانچہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے سوال کیا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو یہ سب عمل کرنے کی وصیت کیوں کی تھی؟ جواب میں اس نے کہا:

خشیتك یارب

اے اللہ، آپ کے ڈر کی وجہ سے، اس لئے کہ میں نے گناہ بہت کئے تھے۔ اور ان گناہوں کے نتیجے میں مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں آپ کے عذاب کا مستحق ہو گیا ہوں۔ اور آپ کا عذاب بڑا سخت ہے، تو میں نے اس عذاب کے ڈر سے یہ وصیت کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے ڈر کی وجہ سے تم نے یہ

عمل کیا تھا۔ جاؤ، میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

یہ واقعہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ اور صحیح مسلم میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ)

اب ذرا سوچئے کہ اس شخص کی یہ وصیت بڑی احمقانہ تھی۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو وہ کافرانہ تھی، اس لئے کہ وہ شخص یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آگیا تو اللہ تعالیٰ مجھے بہت عذاب دے گا، لیکن اگر تم لوگوں نے مجھے جلا کر اور راکھ بنا کر اڑا دیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نہیں آؤں گا۔ معاذ اللہ۔ یہ عقیدہ رکھنا تو کفر اور شرک ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ راکھ کے ذرات جمع کرنے پر قادر نہیں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ تو اس نے جواب دیا یا اللہ، آپ کے ڈر کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اچھا تو جانتا تھا کہ ہم تیرے رب ہیں، اور مانتا تھا کہ ہم تیرے رب ہیں۔ اور یہ بھی مانتا تھا کہ تو نے ہماری نافرمانی کی ہے، اور اس نافرمانی پر تو شرمسار بھی تھا، اور نادم بھی تھا، اور تو نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے ان گناہوں پر ندامت کا اظہار کر دیا تھا، اس لئے ہم تیری مغفرت کرتے ہیں، اور تجھے معاف فرماتے ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت در حقیقت بندے سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کرتی ہے، وہ یہ کہ بندہ ایک مرتبہ اپنے کیئے پر سچے دل سے شرم سار ہو جائے، نادم ہو جائے، اور نادم ہو کر اس وقت جو کچھ کر سکتا ہے، وہ کر گزرے، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنی میں اپنے گناہوں پر نادم ہونے اور توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنی رحمت سے ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

درود شریف - ایک اہم عبادت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ——— حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ——— محمد عبداللہ میمن

تاریخ ———

مقام ——— جامع مسجد بیت المکرم، گلشنِ اقبال، کراچی

جلد ——— نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درود شریف کے فضائل

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ. ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ. واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ. واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

امابعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ. یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ہ

(الاحزاب: ۵۶)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحسب المؤمن من البخل اذا ذکرت عندہ فلم یصل علی۔

(کتاب الزھد لابن مبارک: ۳۶۳)

انسانیت کے سب سے بڑے محسن

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مومن کے بخیل ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ جب میرا ذکر اسکے سامنے کیا جائے تو وہ مجھ پر درود نہ بھیجے ــ یعنی یہ ایک مسلمان کے بخیل ہونے کی انتہا ہے کہ اسکے سامنے نبی کریم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے۔ اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے چونکہ اس کائنات میں ایک مومن کا سب سے بڑا محسن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

سوا کوئی نہیں ہو سکتا، آپ کے جتنے احسانات اس امت پر ہیں، اور خاص طور سے ان لوگوں پر جنہیں اللہ تعالی نے ایمان کی دولت سے نوازا، اتنے کسی کے بھی احسانات نہیں ہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ اپنی امت کی فکر میں دن رات گھلتے رہتے تھے ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

كان دائم الفكرة ، متواصل الاحزان

جب بھی آپ کو دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی فکر میں ہیں، اور کوئی غم آپ پر طاری ہے ـــــ علماء فرماتے ہیں کہ یہ فکر اور غم کوئی اس بات کا نہیں تھا کہ آپ کو تجارت میں نقصان ہو رہا تھا، اور مال و دولت میں کمی آرہی تھی، یا دنیا کے اور دوسرے مال و اسباب میں قلت آرہی تھی، بلکہ یہ فکر اور غم اس امت کیلئے تھا کہ میری امت کسی طریقے سے جہنم کے عذاب سے بچ جائے، اور اللہ تعالی کی رضا اسکو حاصل ہو جائے۔

میں تمہیں آگ سے روک رہا ہوں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، اب پروانے آکر اس آگ میں گرنے لگے، یہ شخص ان پروانوں کو آگ سے دور ہٹانے لگا، تاکہ وہ آگ میں جل کر ختم نہ ہو جائیں، اسی طرح میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو آگ سے روک رہا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو، اور اس آگ میں گرے جا رہے ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقته صلی اللہ علیہ وسلم علی امته)

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اس فکر میں گزری کہ یہ امت کسی طرح جہنم کے عذاب سے بچ جائے، تو کیا ایک امتی اتنا بھی نہیں

کریگا کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو کم از کم آپ پر ایک مرتبہ درود بھیج دے؟ جب کہ درود بھیجنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فائدہ ہوتا ہے وہ تو ہوگا، خود درود بھیجنے والے کو اسکا فائدہ پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی اس عمل میں شریک ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں درود بھیجنے کے بارے میں عجیب انداز سے بیان فرمایا، چنانچہ فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

"بیشک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو، تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجو" دیکھئے، ابتدا میں یہ نہیں فرمایا کہ تم درود بھیجو، بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرما دیا ۔۔۔ ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے درود کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ ان پر پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ درود بھیج رہے ہیں، اور اللہ کے فرشتے درود بھیج رہے ہیں ان کو تمہاری درود کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن اگر تم اپنی بھلائی اور خیر چاہتے ہو تو تم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو ۔۔۔۔ دوسرے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ درود شریف بھیجنے کا جو عمل ہے، اس عمل کی شان ہی نرالی ہے، اسلئے کہ کوئی عمل بھی ایسا نہیں ہے جس کے کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی بندوں کیساتھ شریک ہوں۔ مثلاً نماز ہے بندہ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ نماز نہیں پڑھتے، روزہ بندہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ روزہ نہیں رکھتے، زکوٰۃ یا حج وغیرہ جتنی عبادتیں ہیں، ان میں سے کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی شریک ہوں ۔۔۔۔ لیکن درود شریف ایسا عمل

ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عمل میں پہلے سے کر رہا ہوں، اگر تم بھی کرو گے تو تم بھی ہمارے ساتھ اس عمل میں شریک ہو جاؤ گے ــــ "اللہ اکبر" ــــ کیا ٹھکانہ ہے اس عمل کا کہ بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی اس عمل میں شریک ہو رہے ہیں۔

بندہ کس طرح درود بھیجے؟

البتہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مطلب اور ہے، اور بندے کے درود بھیجنے کا مطلب اور ہے، اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمارہے ہیں، اور بندہ کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ، آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے ــــ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی، یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما، تو اس وقت صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو حکم دیئے ہیں کہ میرے نبی پر درود بھیجو اور سلام بھیجو، سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے کہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو "السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہیں، اسی طرح "تشہد" کے اندر بھی سلام کا طریقہ آپ نے بتایا کہ اس میں "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہا کریں، لیکن ہم آپ پر درود شریف کس طرح بھیجیں؟ اس کا کیا طریقہ ہے؟

اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مجھ پر درود بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ یوں کہو!

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔"

اسکے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے ــــــ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جب بندہ درود بھیجے تو یہ سمجھے کہ میری کیا حقیقت اور حیثیت ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجوں، میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور کمالات کا احاطہ کہاں کر سکتا ہوں؟ میں آپ کے احسانات کا بدلہ کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ لہذا پہلے ہی قدم پر اپنی عاجزی کا اعتراف کر لو کہ یا اللہ! میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کا حق ادا نہیں کر سکتا، اے اللہ! آپ ہی ان پر درود بھیج دیجئے۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں

غالب اگرچہ آزاد شاعر تھے، لیکن بعض شعر ایسے کہے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اسی پر اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرمادیں۔ ایک شعر اس نے بڑا اچھا کہا ہے، وہ یہ کہ ۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است
(صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی غالب! ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ ہی پر چھوڑ دیا ہے، اسلئے کہ ہم لوگ کتنی بھی تعریف کریں مگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا دسواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایک ایسی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو جانتی ہے۔ ہم اور آپ ان کے مرتبے کو جان بھی نہیں سکتے ــــــ لہذا درود شریف کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ تم اس بات کا اعتراف کرو کہ میں نہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو پہچان سکتا ہوں، نہ ان کے احسانات کا حق ادا کر سکتا ہوں، اور نہ صحیح

معنی میں میرے اندر درود بھیجنے کی اہلیت ہے، میں تو یہ دعا ہی کر سکتا ہوں کہ اے اللہ آپ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے۔

یہ دعا سو فیصد قبول ہوگی

علمائے کرام نے فرمایا کہ ساری کائنات میں کوئی دعا ایسی نہیں ہے جس کے سو فیصد قبول ہونے کا یقین ہو، کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میری یہ دعا سو فیصد ضرور قبول ہوگی، اور جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا ــــــ لیکن درود شریف ایک ایسی دعا ہے جس کے سو فیصد قبول ہونے کا یقین ہے، اسلئے کہ دعا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ " اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ " ہم اور ہمارے فرشتے تو تمہاری دعا سے پہلے ہی نبی پاک پر درود بھیج رہے ہیں ــــ اسلئے اس دعا کی قبولیت میں ادنیٰ شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔

دعا کرنے کا ادب

اسی لئے بزرگوں نے دعا کرنے کا یہ ادب سکھا دیا کہ جب تم اپنے کسی مقصد کیلئے دعا کرو، تو اس دعا سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھ لو، اسلئے کہ درود شریف کا قبول ہونا تو یقینی ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ پہلی دعا کو قبول فرمالیں اور آخری دعا کو قبول فرمالیں اور درمیان کی دعا کو قبول نہ فرمائیں، لہٰذا جب درود شریف پڑھ کر پھر اپنے مقصد کیلئے دعا کرو گے تو انشاء اللہ اس دعا کو بھی ضرور قبول فرمائیں گے۔ اسلئے دعا کرنے کا یہ ادب سکھا دیا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجو، اور اسکے بعد اپنے مقاصد کیلئے دعا کرو۔

درود شریف پر اجر و ثواب

اور پھر درود شریف پڑھنے پر اللہ تعالیٰ نے اجر و ثواب بھی رکھا ہے، فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ دس گناہ معاف فرماتے ہیں، اور دس درجات بلند فرماتے ہیں۔

(نسائی، کتاب السہو، باب الفضل فی الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آبادی سے نکل ایک کھجور کے باغ میں پہنچے اور سجدے میں گر گئے، میں انتظار کرنے کیلئے بیٹھ گیا تاکہ جب آپ فارغ ہو جائیں تو پھر بات کروں، لیکن آپ کا سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے بیٹھے بیٹھے اور انتظار کرتے کرتے بہت دیر ہو گئی، حتی کہ میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ کہیں آپ کی روح مبارک تو پرواز نہیں کر گئی، اور یہ سوچا کہ آپ کا ہاتھ ہلا کر دیکھوں ـــــ کافی دیر کے بعد جب سجدہ سے اٹھے تو دیکھا کہ آپ کے چہرے پر بڑی بشاشت کے آثار ہیں، میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج میں نے ایسا منظر دیکھا جو پہلے نہیں دیکھا تھا، وہ یہ کہ آپ نے آج اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ اس سے پہلے اتنا طویل سجدہ نہیں فرمایا، اور میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو، اسکی کیا وجہ تھی؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ بات یہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بھی ایک بار آپ پر درود بھیجے گا، میں اس پر رحمت نازل کرونگا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجونگا، اس خوشخبری اور انعام کے شکر میں میں نے یہ سجدہ کیا۔

درود شریف نہ پڑھنے پر وعید

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دینے کیلئے تشریف لائے۔ جس وقت ممبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، اس وقت زبان سے فرمایا "آمین" پھر جس وقت دوسری سیڑھی پر قدم رکھا۔ اس وقت پھر فرمایا "آمین" پھر جس وقت تیسری سیڑھی پر قدم رکھا۔ پھر فرمایا "آمین" اسکے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے تشریف لائے تو صحابہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ، آج آپ نے ممبر پر جاتے ہوئے (بغیر کسی دعا کے) تین مرتبہ "آمین" کہا۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جس وقت میں ممبر پر جانے لگا۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آگئے، انہوں نے تین دعائیں کیں، اور میں نے ان دعاؤں پر "آمین" کہا۔ حقیقت میں وہ دعائیں نہیں تھیں، بلکہ بددعائیں تھیں،

آپ تصور کریں کہ مسجد نبوی جیسا مقدس مقام ہے، اور غالباً جمعہ کا دن ہے، اور خطبہ جمعہ کا وقت ہے جو قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے اور دعا کرنے والے جبرئیل علیہ السلام ہیں، اور "آمین" کہنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کسی دعا کی قبولیت کی اس سے زیادہ کیا گارنٹی ہو سکتی ہے، جس میں اتنی چیزیں جمع ہو جائیں۔

پھر فرمایا کہ پہلی دعا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ کی کہ وہ شخص برباد ہو جائے جو اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور پھر ان کی خدمت کر کے اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرالے اور جنت حاصل نہ کر لے ـــــ اسلئے کہ بعض اوقات والدین اولاد کی ذرا سی بات اور خدمت پر خوش ہو کر دعائیں دیدیتے ہیں اور انسان کی مغفرت کا سامان ہو جاتا ہے، لہٰذا جس کے والدین بوڑھے ہوں اور وہ انکی خدمت کر کے جنت کا پروانہ حاصل نہ کر سکے، اور اپنے گناہوں کو معاف نہ کرا سکے تو ایسا شخص ہلاک و برباد ہونے کے لائق ہے ـــــ یہ بد دعا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر "آمین" کہی۔

دوسری بد دعا یہ کی کہ وہ شخص ہلاک ہو جائے، جس پر رمضان المبارک کا پورا مہینہ گزر جائے، اسکے باوجود وہ اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرالے ـــــ کیونکہ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔

تیسری بد دعا یہ تھی کہ وہ شخص ہلاک و برباد ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے ـــــ درود شریف نہ پڑھنے پر اتنی سخت وعید ہے لہٰذا جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو آپ پر درود شریف پڑھنا چاہئے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری، جلد ۷ ص ۲۴۰)

مختصر ترین درود شریف

اصل درود شریف تو "درود ابراہیمی" ہے، جو ابھی میں نے پڑھ کر سنایا، جس کو نماز کے اندر بھی پڑھتے ہیں اگرچہ درود شریف کے اور بھی الفاظ ہیں لیکن تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افضل درود شریف "درود ابراہیمی" ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست صحابہ کو یہ درود سکھایا کہ اس طرح مجھ پر درود بھیجا کرو ـــــ البتہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آئے تو ہر مرتبہ چونکہ درود ابراہیمی کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے، اسلئے درود شریف کا آسان اور مختصر جملہ یہ تجویز کر دیا کہ

"صلی اللہ علیہ وسلم"

اسکے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر درود بھیجے، اور سلام بھیجے، اس میں درود بھی ہو گیا، سلام بھی ہو گیا ـــ لہٰذا اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے وقت صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ لیا جائے یا لکھتے وقت صرف "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھدیا جائے تو درود شریف کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

"صلعم" یا صرف "ص" لکھنا درست نہیں

لیکن بہت سے حضرات کو یہ بھی طویل لگتا ہے، معلوم نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھنے کے بعد "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے میں ان کو گھبراہٹ ہوتی ہے۔ یا وقت زیادہ لگتا ہے، یا روشنائی زیادہ خرچ ہوتی ہے، چنانچہ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے کے بجائے "صلعم" لکھدیتے ہیں، یا بعض لوگ صرف "ص" لکھدیتے ہیں ـــــ دنیا کے دوسرے سارے کاموں میں اختصار کی فکر نہیں ہوتی، سارا اختصار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود

شریف لکھنے میں آتا ہے ـــــ یہ کتنی بڑی محرومی اور بخل کی بات ہے۔ ارے! پورا "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے میں کیا بگڑ جائیگا؟

درود شریف لکھنے کا ثواب

حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر زبان سے ایک مرتبہ درود شریف پڑھو تو اس پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، دس نیکیاں اسکے نامہ اعمال میں لکھتے ہیں، اور دس گناہ معاف فرماتے ہیں۔ اور اگر تحریر میں "صلی اللہ علیہ وسلم" کوئی شخص لکھے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تک وہ تحریر باقی رہے گی اس وقت تک ملائکہ مسلسل اس پر درود بھیجتے رہیں گے۔

(زاد السعید، حضرت تھانویؒ، بحوالہ معجم الاوسط للطبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ تحریر میں "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا تو اب جو شخص بھی اس تحریر کو پڑھے گا، اس کا ثواب لکھنے والے کو بھی ملے گا، لہذا لکھتے کے وقت مختصراً ص یا صلعم لکھنا یہ بڑی بخیلی، کنجوسی اور محرومی کی بات ہے، اسلئے کبھی ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

محدثین عظام مقرب بندے ہیں

علم حدیث کے فضائل اور سیرت طیبہ کے فضائل کے بیان میں علماء کرام نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ اس علم کے پڑھنے والے اور پڑھانے والے کو بار بار درود شریف پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے، کیونکہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئیگا، وہ شخص "صلی اللہ علیہ وسلم" کہے گا، اسلئے اسکو زیادہ سے زیادہ درود بھیجنے کی توفیق ہو جاتی ہے، چنانچہ فرمایا گیا کہ محدثین عظام جو علم حدیث کے ساتھ اشتغال رکھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب بندے ہیں، اسلئے کہ یہ درود شریف زیادہ بھیجتے ہیں ـــــ یہ درود شریف اتنی فضیلت کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس میں اشتغال کی توفیق عطا فرمائے اور

اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ملائکہ دعاء رحمت کرتے ہیں

"عن عامر بن ربیعۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من صلی علی صلاۃ صلت علیہ الملائکۃ ما صلی علی، فلیقل عبد من ذلک او لیکثر"

(ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو جب تک وہ درود بھیجتا رہتا ہے، ملائکہ اسکے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اب جس کا دل چاہے، ملائکہ کی دعاء رحمت اپنے لئے کم کرلے یا زیادہ کرلے"

دس رحمتیں، دس مرتبہ سلامتی

"وعن ابی طلحۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء ذات یوم والبشری یری فی وجھہ فقال: انہ جاءنی جبرئیل فقال: اما یرضیک یا محمد ان لا یصلی علیک احد من امتک الا صلیت علیہ عشرا، ولا یسلم علیک احد من امتک الا سلمت علیہ عشرا"

(سنن نسائی، کتاب السھو، باب فضل التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار تھے، اور آکر فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل تشریف لائے۔ اور انہوں نے آکر فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ کیا آپ کے راضی ہونے کیلئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ آپ کی امت میں سے جو بندہ بھی آپ پر درود بھیجے گا تو میں اس پر دس رحمتیں نازل کرونگا، اور جو بندہ آپ پر سلام بھیجے گا تو میں اس پر دس مرتبہ سلامتی نازل کرونگا۔

درود شریف پہنچانے والے ملائکہ

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ تعالٰی ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

(سنن نسائی، کتاب السھو، باب السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں گھومتے پھرتے ہیں، اور جو کوئی بندہ مجھ پر سلام بھیجتا ہے، وہ فرشتے اس سلام کو مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نام لیکر پہنچایا جاتا ہے کہ آپ کی امت میں سے فلاں بن فلاں نے آپ کی خدمت میں درود شریف کا یہ تحفہ بھیجا ہے۔ انسان کی اس سے بڑی کیا سعادت ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انجمن میں اس کا نام پہنچ جائے۔

(کنزالعمال حدیث نمبر ۲۲۱۸)

میں خود درود سنتا ہوں

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرا کوئی امتی دور سے میرے اوپر درود بھیجتا ہے تو اس وقت فرشتوں کے ذریعہ وہ درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، اور جب کوئی امتی میری قبر پر آکر درود بھیجتا ہے، اور یہ کہتا کہ "الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" اس وقت میں خود اسکے درود و سلام کو سنتا ہوں، (کنزالعمال، حدیث نمبر ۲۱۶۵) اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں ایک خاص قسم کی حیات عطا فرمائی ہوئی ہے، اسلئے وہ سلام آپ خود سنتے ہیں، اور اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ جب کوئی آپ کی قبر پر جاکر درود بھیجے تو یہ الفاظ کہے:

"اَلصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ"

اور جب دور سے درود شریف بھیجے تو اس وقت درود ابراہیمی پڑھے،

دکھ، پریشانی کے وقت درود شریف پڑھیں

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جب آدمی کو کوئی دکھ اور پریشانی ہو، یا کوئی بیماری ہو، یا کوئی ضرورت اور حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا تو کرنی چاہئے کہ یا اللہ! میری اس حاجت کو پورا فرما دیجئے، میری اس پریشانی اور بیماری کو دور فرما دیجئے لیکن ایک طریقہ ایسا بتاتا ہوں کہ اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت کو ضرور ہی پورا فرمادیں گے۔ وہ یہ ہے کہ کوئی پریشانی ہو، اس وقت درود شریف کثرت سے پڑھیں، اس درود شریف کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس پریشانی کو دور فرمادیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کریں

دلیل اسکی یہ ہے کہ سیرت طیبہ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ جب کوئی

شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ لاتا تو آپ اس بات کی کوشش فرماتے کہ اسکے جواب میں اس سے بہتر تحفہ اسکی خدمت میں پیش کروں، تاکہ اسکی مکافات ہو جائے، ساری زندگی آپ نے اس پر عمل فرمایا ـــــ یہ درود شریف بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ ہے، اور چونکہ ساری زندگی میں آپ کا یہ معمول تھا کہ جواب میں اس سے بڑھ کر ھدیہ دیتے تھے، تو آج جب ملائکہ درود شریف آپ کی خدمت میں پہنچائیں گے کہ آپ کے فلاں امتی نے آپ کی خدمت میں درود شریف کا یہ تحفہ بھیجا ہے تو غالب گمان یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس ھدیہ کا بھی جواب دیں گے، وہ جوابی ھدیہ یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ جس طرح اس بندے نے مجھے ھدیہ بھیجا، اے اللہ، اس بندے کی حاجتیں بھی آپ پوری فرمادیں۔ اور اسکی پریشانیاں دور فرمادیں ـــــ اب اس وقت ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ ہمارے حق میں دعا فرما دیجئے، دعا کی درخواست کرنے کا تو کوئی راستہ نہیں ہے ـــ ہاں، ایک راستہ ہے کہ وہ یہ کہ ہم درود شریف کثرت سے بھیجیں، جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حق میں دعا فرمائیں گے ـــ لہٰذا درود شریف پڑھنے کا یہ عظیم فائدہ ہمیں حاصل کرنا چاہئے ـــ اسی وجہ سے بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ بیماری اور دکھ کی حالت میں درود شریف کی کثرت کیا کرتے تھے۔ اسلئے دن بھر میں کم از کم سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کریں۔ اگر پورا درود ابراھیمی پڑھنے کی توفیق ہو جائے تو بہت اچھا ہے، ورنہ مختصر درود پڑھ لیں:

" اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ "

اور مختصر کرنا چاہو تو یہ پڑھ لیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ

یا "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھ لیں، لیکن سو مرتبہ ضرور پڑھ لیں۔ اسکی برکت

سے اجر و ثواب کے ذخیرے بھی جمع ہو جائیں گے، اور انشاء اللہ اللہ کی رحمت سے دنیاوی حاجتیں بھی پوری ہونگی۔

درود شریف کے الفاظ کیا ہوں؟

ایک بات اور سمجھ لیں۔ یہ درود شریف پڑھنا ایک عبادت بھی ہے، اور ایک دعا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم پر کی جا رہی ہے، اسلئے درود شریف کیلئے وہی الفاظ اختیار کرنے چاہئیں جو اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں، اور علماء کرام نے اس پر مستقل کتابیں لکھدی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسے کونسے درود ثابت اور منقول ہیں، مثلاً حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب عربی میں لکھی ہے، "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" جس میں تمام درود شریف جمع کر دیئے ہیں، اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے "زاد السعید" جس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے درود شریف کے وہ تمام الفاظ اور صیغے جمع فرما دیئے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اور ان کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔

من گھڑت درود شریف نہ پڑھیں

لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی کثرت سے درود شریف منقول ہونے کے باوجود لوگوں کو یہ شوق ہو گیا ہے کہ ہم اپنی طرف سے درود بنا کر پڑھیں گے، چنانچہ کسی نے درود تاج گھڑ لیا۔ کس نے درود لکھی گھڑ لیا، وغیرہ وغیرہ اور ان کے فضائل بھی اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دیئے کہ اسکو پڑھو گے تو یہ ہو جائیگا، حالانکہ نہ تو یہ الفاظ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ اور نہ ان کے یہ فضائل منقول ہیں، بلکہ بعض کے تو الفاظ بھی خلاف شرع ہیں، حتی

کہ بعض میں شرکیہ کلمات بھی درج ہیں، اسلئے صرف وہ درود شریف پڑھنے چاہئیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، دوسرے درود نہیں پڑھنے چاہئیں، لہذا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "زاد السعید" ہر شخص کو اپنے گھر میں رکھنا چاہئے اور اس میں بیان کئے ہوئے درود شریف پڑھنے چاہئیں۔

اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ ہے "فضائل درود شریف" وہ بھی اپنے گھر میں رکھیں اور پڑھیں، اور درود شریف کو اپنے لئے بہت بڑی نعمت سمجھ کر اسکو وظیفہ بنائیں۔

درود شریف کا حکم

تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر شخص کے ذمے زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض عین ہے، اور بالکل اسی طرح فرض ہے جیسے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج فرض ہیں، اسکی فرضیت کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

اور اس کے علاوہ جب کبھی ایک ہی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بار بار آئے، چاہے پڑھنے میں یا سننے میں آئے تو اس وقت میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر نہیں پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا۔

واجب اور فرض میں فرق

واجب اور فرض میں عملی اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، اسلئے کہ واجب پر بھی عمل کرنا ضروری ہے، فرض پر بھی عمل کرنا ضروری ہے، فرض کو چھوڑنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے، اور واجب کو چھوڑنے والا بھی گناہ گار ہوتا ہے۔ لیکن دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فرض کا انکار کردے تو کافر ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ نماز فرض نہیں ہے (معاذ اللہ) تو وہ شخص مسلمان نہیں رہیگا۔ کافر ہو جائیگا۔ یا روزہ کی فرضیت کا انکار کردے تو کافر ہو جائیگا ـــــ واجب کے انکار کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا، البتہ شدید گناہ گار اور فاسق ہو جاتا ہے، جیسے اگر کوئی شخص وتر کی نماز کا انکار کردے کہ وتر کی نماز واجب نہیں تو وہ شخص بہت سخت گناہ گار ہوگا، اور فاسق ہو جائیگا البتہ عملی اعتبار سے دونوں ضروری ہیں۔

ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہئے

البتہ شریعت نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ جو حکم بندہ کو دیا جائے وہ قابل عمل ہو، لہٰذا اگر ایک ہی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بار بار لیا جائے تو صرف ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، اگر ہر مرتبہ درود شریف نہیں پڑھے گا تو واجب چھوڑنے کا گناہ نہیں ہوگا، لیکن ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں اگر بار بار بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو ہر مرتبہ وہ درود شریف پڑھے ـــ اگرچہ مختصراً ہی "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھ لے۔

وضو کے دوران درود شریف پڑھنا

بعض اوقات میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے، مثلاً وضو کرنے کے دوران ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا مستحب ہے، اور بار بار پڑھتے رہنا اور زیادہ فضیلت کا سبب ہے، اسلئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ جب تک وضو میں مشغول رہے، درود شریف پڑھتا رہے، علماء کرام نے اسکو مستحب قرار دیا ہے۔

جب ہاتھ پاؤں سن ہو جائیں

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا ہاتھ یا پاؤں سن ہو جائے ــــ یعنی ہاتھ یا پاؤں سو جائے، اور اسکی وجہ سے اسکے اندر احساس ختم ہو جائے اور وہ شل ہو جائے ـــــ اس وقت وہ شخص مجھ پر درود شریف بھیجے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ"

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ درود شریف پڑھنا اس بیماری کا علاج بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید یہ ہے کہ درود شریف پڑھنے سے سن ہو جانے کا اثر ختم ہو جائیگا ـــــ میں کہتا ہوں کہ یہ اس بیماری کا علاج ہو، یا نہ ہو، لیکن ایک مومن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور درود شریف کی فضیلت حاصل کرنے کا ایک موقع ملا ہے، لہذا اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک مسلمان کو اس وقت درود شریف پڑھنا چاہئے۔

مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت درود شریف

اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ چنانچہ مسجد میں داخل ہونے کی مسنون دعا یہ ہے "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ" اور مسجد سے نکلنے کی مسنون دعا یہ ہے

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ" روایات میں آتا ہے کہ ان دعاؤں کے ساتھ بسم اللہ اور درود شریف کا اضافہ بھی کر لینا چاہئے، اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اس طرح دعا پڑھنی چاہئے:

"بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ، اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ"

اور مسجد سے نکلتے وقت اس طرح دعا پڑھنی چاہئے:

"بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ"

لہٰذا ان دونوں مواقع پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

ان دعاؤں کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت یہ دو عجیب دعائیں تلقین فرمائیں ہیں، فرمایا کہ داخل ہوتے وقت یہ دعا کرو کہ اے اللہ، میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، اور مسجد سے نکلتے وقت یہ دعا کرو کہ اے اللہ، میں آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں ـــ گویا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت رحمت کی دعا مانگی، اور مسجد سے نکلتے وقت فضل کی دعا مانگی، علماء نے ان دونوں دعاؤں کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں عام طور پر "رحمت" کا اطلاق آخرت کی نعمتوں پر ہوتا ہے، چنانچہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کیلئے "رحمہ اللہ" یا "رحمۃ اللہ علیہ" کے الفاظ سے دعا کی جاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے ـــــ اور "فضل" کا اطلاق عام طور پر دنیاوی نعمتوں پر ہوتا ہے، مثلاً مال و دولت، بیوی بچے، گھربار، روزی کمانے کے اسباب وغیرہ کو "فضل" کہا جاتا ہے ـــــ لہٰذا مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کرو کہ اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، یعنی آخرت کی نعمتوں کے دروازے کھول دیجئے، اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد مجھے ایسی

عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمایئے، اور اس طرح آپ کا ذکر کرنے کی توفیق عطا فرمایئے، جس کے ذریعہ آپ کی رحمت کے یعنی آخرت کی نعمتوں کے دروازے مجھ پر کھل جائیں اور آخرت کی نعمتیں مجھے حاصل ہو جائیں۔

اور چونکہ مسجد سے نکلنے کے بعد یا تو آدمی اپنے گھر جائیگا، یا ملازمت کیلئے دفتر میں جائیگا، یا اپنی دوکان پر جائیگا اور کسب معاش کریگا، اسلئے اس موقع پر یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ، مجھ پر اپنے فضل کے دروازے کھول دیجئے، یعنی دنیاوی نعمتوں کے دروازے کھول دیجئے ــــــ

آپ غور کریں کہ اگر انسان کی صرف یہ دو دعائیں قبول ہو جائیں تو پھر انسان کو اور کیا چاہئے؟ اسلئے کہ دنیا میں اللہ کا فضل مل گیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت حاصل ہو گئی، "اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں ان دونوں دعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین" ــــ اور جب یہ عظیم الشان دعائیں کرو تو اس سے پہلے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج دیا کرو، اسلئے کہ جب تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو گے تو چونکہ وہ درود تو ہمیں قبول ہی کرنا ہے، یہ ممکن نہیں کہ ہم اسکو قبول نہ کریں۔ اسلئے کہ ہم تو قبولیت کا پہلے سے اعلان کر چکے ہیں، اور جب ہم درود شریف قبول کریں گے تو اسکے ساتھ تمہاری یہ دعائیں بھی قبول کر لیں گے، اور اگر یہ دعائیں قبول ہو گئیں تو دنیا و آخرت کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ اسلئے مسجد میں جاتے وقت اور نکلتے وقت درود شریف ضرور پڑھ لیا کرو۔

اہم بات سے پہلے درود شریف

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کوئی اہم بات کرنا شروع کرے، یا اہم بات لکھے، تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے، اور پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اسکے بعد اپنی بات کہے یا لکھے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ تقریر کے شروع میں ایک خطبہ پڑھا جاتا ہے، اس

خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور توحید کا بیان ہوتا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور آپ کی رسالت کا بیان ہوتا ہے، اور اگر مختصر وقت ہو تو آدمی صرف اتنا ہی کہدے:

"نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ"

یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، یا یہ پڑھ لے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى"

یہ بھی مختصر درود شریف کی ایک صورت ہے۔ لہٰذا جب بھی کوئی بات کہنی ہو، یا لکھنی ہو، اس وقت حمد و صلاۃ کہنی چاہئے۔ ہمارے یہاں تو جب کوئی شخص باقاعدہ تقریر کرتا ہے، اس وقت یہ پڑھتا ہے: نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہاں یہ معمول تھا کہ کسی بھی مسئلے پر بات کرنی ہو چاہے وہ دنیوی مسائل ہی کیوں نہ ہوں مثلاً خرید و فروخت کی بات ہو یا رشتے ناتے کی بات ہو تو بات شروع کرنے سے پہلے حمد و ثنا اور درود شریف پڑھتے، اسکے بعد اپنی مقصد کی بات کرتے ـــــ چنانچہ اہل عرب کے اندر ابھی تک اسکی جھلک اور اسکا نمونہ کچھ کچھ موجود ہے کہ جب کسی کام کے مشورے کیلئے بیٹھتے ہیں تو پہلے حمد و ثنا اور درود شریف پڑھتے ہیں ـــــ ہمارے یہاں یہ سنت ختم ہوتی جارہی ہے، اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

غصہ کے وقت درود شریف پڑھنا

علماء کرام نے فرمایا کہ جب آدمی کو غصہ آرہا ہو، اور اندیشہ یہ ہو کہ غصے کے اندر کہیں آپے سے باہر ہو کر کوئی کام شریعت کے خلاف نہ ہو جائے یا کہیں زیادتی نہ ہو جائے، کسی کو برا بھلا نہ کہدے، یا کہیں غصے کے اندر مار پیٹ تک نوبت نہ پہنچ جائے، اس وقت غصے کی حالت میں درود شریف پڑھ لینا چاہئے،

درود شریف پڑھنے سے انشاء اللہ غصہ ٹھنڈا ہو جائیگا، وہ غصہ قابو سے باہر نہیں ہوگا۔

عرب کے لوگوں میں آج تک یہ بڑی اچھی رسم چلی آرہی ہے کہ جہاں کہیں دو آدمیوں میں کوئی تکرار اور لڑائی کی نوبت آگئی تو فوراً اس وقت ان میں کوئی یا کوئی تیسرا آدمی ان سے کہتا ہے کہ: "صل علی النبی" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو، اسکے جواب میں دوسرا آدمی درود شریف پڑھنا شروع کر دیتا ہے: "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد" بس اسی وقت لڑائی ختم ہو جاتی ہے، اور دونوں فریق ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، اور دونوں کا غصہ ختم ہو جاتا ہے۔۔۔۔ یہ درحقیقت علماء کرام کی تلقین کا نتیجہ ہے کہ غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے درود شریف پڑھنا بہت مفید ہے۔۔۔ اسلئے اسکو بھی اپنے درمیان رواج دینے کی ضرورت ہے۔

سونے سے پہلے درود شریف پڑھنا

اسی طرح علماء نے فرمایا کہ جب آدمی سونے کیلئے بستر پر لیٹے، اس وقت وہ پہلے مسنون دعائیں پڑھے، اسکے بعد درود شریف پڑھتے پڑھتے سو جائے، تاکہ انسان کی بیداری کا آخری کلام درود شریف ہو جائے۔۔۔۔ یہ ایسی باتیں ہیں، جن پر عمل کرنے میں کوئی محنت اور مشقت نہیں، اور کوئی وقت بھی خرچ نہیں ہوتا، اسلئے کہ تم سونے کیلئے لیٹے ہو، کوئی اور کام تو کر نہیں سکتے، اسلئے درود شریف پڑھتے رہو، یہاں تک کہ نیند آجائے۔۔۔ تاکہ تمہارے اعمال کا خاتمہ بالخیر ہو جائے، اسکو بھی اپنا معمول بنا لینے کی ضرورت ہے، بہرحال، یہ وہ مواقع تھے، جن میں درود شریف پڑھنا علماء نے مستحب بتایا ہے، ان کو اپنے معمولات میں داخل کر لینا چاہئے۔

یومیہ تین سو مرتبہ درود شریف

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کم از کم صبح و شام تین سو مرتبہ درود شریف پڑھنا چاہئے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے متوسلین کو تلقین فرمایا کرتے تھے کہ کم از کم دن میں تین سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو، اور انشاء اللہ اسکی وجہ سے کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں میں تمہارا شمار ہو جائیگا۔ ورنہ کم از کم سو مرتبہ تو ضرور ہی پڑھ لیا کرو۔ اللہ تعالی ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

درود شریف محبت بڑھانے کا ذریعہ

اور درود شریف پڑھنے پر آخرت میں جو نیکیاں اور جو اجر و ثواب ملتا ہے، وہ تو ملے گا، لیکن دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص جتنی کثرت سے درود شریف پڑھے گا، اتنا ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہو گا، اور جتنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسم کی محبت بڑھے گی، اتنے ہی انسان پر صلاح و فلاح کے دروازے کھلتے جائیں گے ـــــ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا: یارسول اللہ! قیامت کب آئیگی؟ آپ نے پوچھا کہ تم نے اسکی کیا تیاری کی ہے؟ صحابی نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، میں نے بہت زیادہ نفلی نمازیں یا نفل روزے تو نہیں رکھے، لیکن میں اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

"المرء مع من احب"

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان المرء مع من احب)

انسان آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گا، جس کے ساتھ اس نے دنیا میں محبت کی۔ لہٰذا جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو گا، آخرت میں اللہ

تعالیٰ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت بھی عطا فرمائیں گے ـــــ لہٰذا درود شریف پڑھنے کا دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہو جائیگا ـــــ ویسے تو الحمد للہ ہر مومن کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، کوئی مومن ایسا نہیں ہوگا، جس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ ہو، لیکن محبت محبت میں بھی فرق ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص جتنا زیادہ درود شریف پڑھنے والا ہوگا، اسکے دل میں اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی ـــــ اور یہ درود شریف کا کوئی معمولی فائدہ نہیں ہے۔

درود شریف دیدار رسول کا سبب

بزرگوں نے درود شریف پڑھنے کا ایک دنیاوی فائدہ یہ بھی بتایا ہے کہ جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی نصیب فرمائیں گے ـــــ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے علماء کرام میں سے ہیں، یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے دین و دنیا کے علوم میں سے کوئی علم ایسا نہیں چھوڑا، جس پر کوئی کتاب نہ لکھی ہو، ــ علم تفسیر پر، علم حدیث پر، فقہ پر، بلاغت پر، نحو پر، حساب پر گویا ہر موضوع پر آپ کی تصنیف موجود ہے، اور پھر علم تفسیر پر آپ کی تین کتابیں ہیں۔ جن میں سے ایک اسی (۸۰) جلدوں پر مشتمل ہے، جس کا نام ہے "مجمع البحرین" دوسری تفسیر ہے "درمنثور" اور تیسری ہے "جلالین" ان کی لکھی ہوئیں ساری کتابیں اگر آج کوئی شخص پڑھنا چاہے تو اس کیلئے پوری عمر درکار ہے ـــــ لیکن علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال کی عمر کے اندر اندر یہ تمام تصانیف لکھیں اور اسکے بعد اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کیلئے فارغ کر لیا۔

جاگتے میں حضور کی زیارت

ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دولت عطا فرمائی کہ ۳۵ مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جاگتے میں اور بیداری کی حالت میں زیارت ہوئی، اور بیداری کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کشف کی ایک قسم ہے، کسی نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! ہم نے سنا ہے کہ آپ نے ۳۵ مرتبہ بیداری کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ ہمیں بھی بتایئے کہ وہ کیا عمل ہے جسکی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دولت سے سرفراز فرمایا؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں تو کوئی خاص عمل نہیں کرتا، البتہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر یہ خاص فضل رہا ہے کہ میں ساری عمر درود شریف بہت کثرت سے پڑھتا رہا ہوں، چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے جاگتے میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا رہوں۔ شاید اسی عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دولت عطا فرمائی ہو۔

حضور کی زیارت کا طریقہ

بہرحال، بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق ہو، وہ جمعہ کی رات میں دو رکعت نفل نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ۱۱ مرتبہ آیت الکرسی اور گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد سو مرتبہ یہ درودِ شریف پڑھے:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ"

اگر کوئی شخص چند مرتبہ یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب فرما دیتے ہیں۔

بشرطیکہ شوق اور طلب کامل ہو اور گناہوں سے بھی بچتا ہو۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا مذاق

لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہم کہاں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کہاں؟ چنانچہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک صاحب آئے، اور کہا حضرت! مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتادیجئے جسکی برکت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھائی، تم بڑے حوصلہ والے آدمی ہو کہ تم اس بات کی تمنا کر رہے ہو کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، ہمیں تو یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ یہ تمنا بھی کریں، اسلئے کہ ہم کہاں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کہاں؟ اور اگر زیارت ہو جائے تو اس کے آداب، اسکے حقوق اور اسکے تقاضے کس طرح پورے کریں گے، اسلئے خود اسکے حاصل کرنے کی نہ تو کوشش کی، اور نہ کبھی اس قسم کے عمل سیکھنے کی نوبت آئی جس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے، البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہی زیارت کرادیں تو یہ ان کا انعام ہے، اور جب خود کرائیں گے تو پھر اسکے آداب کی بھی توفیق بخشیں گے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور روضہ اقدس کی زیارت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوتے تو کبھی روضہ اقدس کی جالی کے قریب نہیں جاتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ کا یہ معمول دیکھا کہ جالی کے سامنے جو ستون ہے اس ستون سے لگ کر کھڑے ہو جاتے، اور اگر کوئی آدمی کھڑا ہوتا تو اسکے پیچھے جا کر کھڑے ہو جاتے۔

ایک دن خود فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ

شاید تو بڑا شقی القلب ہے، اس وجہ سے جالیوں کے قریب ہونے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔ اور یہ اللہ کے بندے ہیں جو جالی کے قریب ہونے اور اس سے چمٹنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا قرب حاصل ہو جائے وہ نعمت ہی نعمت ہے، لیکن میں کیا کروں کہ میرا قدم آگے بڑھتا ہی نہیں ——— جیسے ہی مجھے یہ خیال آیا، اسی وقت مجھے یہ محسوس ہوا کہ روضہ اقدس کی طرف سے یہ آواز آرہی ہے کہ:

"یہ بات لوگوں تک پہنچا دو کہ جو شخص ہماری سنتوں پر عمل کرتا ہے، وہ ہم سے قریب ہے، خواہ ہزاروں میل دور ہو، اور جو شخص ہماری سنتوں پر عمل پیرا نہیں ہے، وہ ہم سے دور ہے، خواہ وہ ہماری جالیوں سے چمٹا کھڑا ہو"

چونکہ اس میں حکم بھی تھا کہ "لوگوں تک یہ بات پہنچادو" اسلئے میرے والد صاحب قدس اللہ سرہ اپنی تقاریر اور خطبات میں یہ بات لوگوں کے سامنے بیان فرماتے تھے، لیکن اپنا نام ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ یہ فرماتے کہ ایک زیارت کرنے والے نے جب روضہ اقدس کی زیارت کی تو اسکو روضہ اقدس پر یہ آواز سنائی دی ——— لیکن ایک مرتبہ تنہائی میں بتایا کہ یہ واقعہ میرے ہی ساتھ پیش آیا تھا۔

اصل چیز سنت کی اتباع

حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ہے، اگر یہ حاصل ہے تو پھر انشاء اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب بھی حاصل ہے ——— خدانہ کرے، اگر یہ چیز حاصل نہیں تو آدمی چاہے کتنا ہی قریب پہنچ جائے، روضہ اقدس کی جالیاں تو کیا، بلکہ حجرہ اقدس کے اندر بھی چلا جائے، تب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا ——— اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اتباع سنت کی دولت عطا فرمادے۔ آمین۔

درود شریف میں نئے طریقے ایجاد کرنا

ویسے تو درود شریف کی کثرت افضل ترین عمل ہے، لیکن ہر کام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی وقت تک پسندیدہ ہے، جب تک ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو، لیکن اگر کسی کام کے اندر اپنی طرف سے کوئی طریقہ ایجاد کر لیا، اور اسکے مطابق کام شروع کر دیا، تو اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوشی حاصل نہیں ہوگی —— چنانچہ درود شریف کے بارے میں آجکل بہت سے ایسے طریقے چل پڑے ہیں، جو اپنی طرف سے گھڑے ہوئے ہیں، اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے نہیں ہیں، اس صورت میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا اظہار کر رہا ہوں، لیکن چونکہ وہ طریقے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہیں، اسلئے حقیقت میں ان کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

یہ طریقہ بدعت ہے

مثلاً آجکل درود و سلام بھیجنے کا مطلب یہ ہو گیا کہ درود و سلام کی نمائش کرو چنانچہ بہت سے آدمی ملکر کھڑے ہو کر لاؤڈ اسپیکر پر زور زور سے ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں:

• اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اور یہ سمجھتے ہیں کہ درود و سلام کا بھیجنے کا یہی طریقہ ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر درود و سلام پڑھتا ہے تو اسکو درست نہیں سمجھتے، اور اسکی اتنی قدر و منزلت نہیں کرتے، حالانکہ پوری سیرت طیبہ میں اور صحابہ کرام کی زندگی میں کہیں بھی یہ مروجہ طریقہ نہیں ملتا، جبکہ صحابہ کرام میں سے ہر شخص مجسم درود تھا، اور صبح سے لیکر شام تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتا تھا ——

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طریقے میں شامل نہ ہو تو اسکو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ اسکو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں، یہ درود وسلام کا منکر ہے وغیرہ وغیرہ، یہ طعنہ دینا اور زیادہ بری بات ہے ــــ خوب سمجھ لیجئے، درود بھیجنے کا کوئی طریقہ اس طریقے سے زیادہ بہتر نہیں ہو سکتا جو طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتایا ہو، وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک صحابی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ پر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں درود ابراہیمی پڑھا اور فرمایا کہ اس طریقے سے درود شریف پڑھا کرو۔

نماز میں درود شریف کی کیفیت

دوسری طرف یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو نماز کا ایک حصہ بنایا ہے، لیکن نماز کے اندر سورۃ فاتحہ کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے، سورۃ کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے، لیکن جب درود شریف کا موقع آیا تو فرمایا کہ تشہد کے بعد اطمینان کے ساتھ، ادب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھو۔

بہرحال ویسے تو کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا، بیٹھ کر پڑھنا، لیٹ کر پڑھنا، ہر حالت میں درود شریف پڑھنا جائز ہے ــــ لیکن ان میں سے کسی ایک طریقے کو خاص کر کے مقرر کر لینا، اور اسکے بارے میں یہ کہنا کہ یہ طریقہ دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور افضل ہے، یہ سب بے بنیاد اور غلط ہے۔

کیا درود شریف کے وقت حضور تشریف لاتے ہیں؟

اور یہ طریقہ اس وقت اور زیادہ غلط ہو گیا جب اسکے ساتھ ایک خراب

عقیدہ بھی لگ گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب ہم درود شریف پڑھتے ہیں تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ یا آپ کی روح مبارک تشریف لاتی ہے، اور جب آپ تشریف لارہے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ کی تعظیم اور تکریم میں کھڑے ہونا چاہئے، اسلئے ہم کھڑے ہو جاتے ہیں ــــــ

بتائیے یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں یہ کہاں سے ثابت ہے؟ کیا قرآن کریم کی آیت سے، یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے، یا کسی صحابی کے قول سے ثابت ہے؟ کہیں بھی کوئی ثبوت نہیں، یہ حدیث۔۔ جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس کو اگر غور سے پڑھ لیں تو بات سمجھ میں آجائیگی، وہ کہ:

"ان اللہ تعالیٰ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو ساری زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں، اور ان کا کام یہ ہے کہ جو شخص میری امت میں سے مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے، وہ مجھ تک پہنچاتے ہیں ــــــ

دیکھئے اس حدیث میں یہ تو بیان فرمایا کہ فرشتے مجھ تک درود شریف پہنچاتے ہیں، لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جہاں کہیں درود پڑھا جارہا ہوتا ہے تو میں وہاں پہنچ جاتا ہوں۔

ہدیہ دینے کا ادب

پھر ذرا غور تو کریں کہ یہ درود شریف کیا چیز ہے؟ یہ درود شریف ایک ہدیہ اور تحفہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، اور جب کسی بڑے کو کوئی ہدیہ دیا جاتا ہے تو کیا اسکو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائیں، ہم آپ کی خدمت میں تحفہ پیش کریں گے؟ یا اسکے گھر بھیجا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جس شخص کے دل میں اپنے بڑے کی عزت اور احترام ہو گا، وہ

کبھی اس بات کو گوارہ نہیں کریگا کہ وہ بڑے سے یہ کہے کہ آپ ہدیہ قبول کرنے کیلئے میرے گھر آئیں، وہاں آکر ہدیہ لے لیں ـــــ بلکہ وہ شخص ہمیشہ یہ چاہے گا کہ یا تو میں خود جاکر اسکو ہدیہ پیش کروں، یا کسی اپنے نمائندے کو بھیجے گا کہ وہ ادب اور احترام کے ساتھ اسکی خدمت میں یہ ہدیہ پہنچا دے ـــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف پہنچانے کیلئے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ آپ کا امتی جہاں کہیں بھی ہے، اسکو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرے، اور پھر اس درود شریف کو وصول کر کے آپ تک پہنچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو نام لیکر پہنچاتے ہیں کہ آپ کے فلاں امتی نے جو فلاں جگہ رہتا ہے، آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ بھیجا ہے ـــــ

یہ غلط عقیدہ ہے

لیکن اسکے برخلاف ہم نے اپنی طرف سے یہ طریقہ مقرر کر لیا ہے کہ ہم درود شریف وہاں تک نہیں پہنچائیں گے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ لینے کیلئے خود ہماری خدمت میں آنا ہوگا، جب آپ ہماری مسجد میں تشریف لائیں گے تو اس وقت ہم ہدیہ پیش کریں گے ـــــ حالانکہ یہ ادب اور تعظیم کے خلاف ہے کہ اپنے بڑے کو ہدیہ وصول کرنے کیلئے گھر بلایا جائے کہ یہاں آکر مجھ سے ہدیہ وصول کر لو ـــــ

لہٰذا یہ تصور کہ جب ہم یہاں بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود بھیجتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس درود شریف کو لینے کیلئے خود تشریف لاتے ہیں، اور چونکہ خود ہماری محفل میں تشریف لاتے ہیں تو ہم ان کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں ـــ یہ تصور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کے بالکل مطابق نہیں، اسلئے درود شریف بھیجنے کا یہ تصور اور یہ طریقہ

درست نہیں۔ جو طریقہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

آہستہ اور ادب کے ساتھ درود شریف پڑھیں

دوسری طرف قرآن کریم نے فرمایا کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرنی ہو، یا اللہ کا ذکر کرنا ہو تو جتنا آہستگی اور عاجزی سے کرو گے، اتنا ہی زیادہ افضل ہوگا، چنانچہ فرمایا:

"اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً"

(الاعراف: ۵۵)

یعنی اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی کے ساتھ پکارو۔ اب درود شریف میں تم اللہ تعالیٰ کو بلند آواز سے پکار رہے ہو، اللھم صل علی محمد" اے اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجئے یہ طریقہ درست نہیں، بلکہ جتنا آہستگی کے ساتھ ادب کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں گے، اتنا ہی افضل ہوگا۔۔ لہٰذا درود شریف بھیجنے کا یہ طریقہ ہے۔۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی طریقہ گھڑ کر درود شریف بھیجے گا تو وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ طریقہ نہیں ہوگا۔

خالی الذھن ہو کر سوچئے

آجکل فرقہ بندیاں ہو گئی ہیں، اور اس فرقہ بندیوں کی وجہ سے یہ صورتحال ہو گئی ہے کہ اگر کوئی صحیح بات کہے تو بھی کان اسکو سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے، یہ بات میں کوئی عیب جوئی کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ دردمندی کے ساتھ، دل سوزی کے ساتھ حقیقت حال بیان کرنے کیلئے کہہ رہا ہوں، اسلئے اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے، محض طعنہ دیدینا کہ فلاں فرقہ تو درود شریف کا منکر

ہے، ان کے دل میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے۔ اس طرح طعنہ دینے سے بات نہیں بنتی، اگر ذرا کان کھول کر بات سن جائے اور یہ دیکھا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضہ کیا ہے؟ تب جا کر حقیقت حال واضح ہوگی۔

تم بہرے کو نہیں پکار رہے ہو

ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام کہیں تشریف لے جارہے تھے تو انہوں نے راستے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنی شروع کردی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ آہستگی کے ساتھ دعا کرو، اور فرمایا کہ:

انکم لاتدعون اصم ولا غائبا

یعنی تم بہرے کو نہیں پکار رہے ہو، اور نہ ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو تم سے غائب ہے، وہ تو تمہاری ہر بات سننے والا ہے، حتی کہ وہ تمہارے دل میں گزرنے والے خیالات سے بھی واقف ہے، اسلئے اسکو پکارنے کے لئے آواز زیادہ بلند کرنے کی ضرورت نہیں، اسلئے اسکو آہستگی، اور ادب کے ساتھ پکارو۔۔ یہ طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تلقین فرمایا۔۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس طریقہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور درود شریف کو اسکے صحیح آداب کے ساتھ، اسکے احکام اور مستحبات کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ______ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ______ محمد عبداللہ میمن

تاریخ ______ ۶ اگست ۱۹۹۳ء قبل نماز جمعہ

مقام ______ جامع مسجد نعمان لسبیلہ چوک، کراچی

جلد ______ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناپ تول میں کمی

اور

دوسروں کے حق ادا کرنے میں کوتاہی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلاھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔ اما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ المطففین: ۱ تا ۶)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

کم تولنا، ایک عظیم گناہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، میں نے آپ حضرات کے سامنے سورۃ مطففین کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک

بہت بڑے گناہ اور معصیت کی طرف متوجہ فرمایا ہے، وہ گناہ ہے "کم ناپنا اور کم تولنا" یعنی جب کوئی چیز کسی کو بیچی جائے تو جتنا اس خریدنے والے کا حق ہے، اس سے کم تول کر دے۔ عربی میں کم ناپنے اور کم تولنے کو "تطفیف" کہا جاتا ہے، اور یہ "تطفیف" صرف تجارت اور لین دین کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ "تطفیف" کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وہ یہ کہ دوسرے کا جو بھی حق ہمارے ذمے واجب ہے، اس کو اگر اس کا حق کم کر کے دیں تو یہ "تطفیف" کے اندر داخل ہے۔

آیات کا ترجمہ

آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ کم ناپنے اور کم تولنے والوں کے لئے افسوس ہے، (اللہ تعالیٰ نے "ویل" کا لفظ استعمال فرمایا، "ویل" کے ایک معنی تو "افسوس" کے آتے ہیں دوسرے معنی اس کے ہیں "دردناک عذاب" اس دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ) ان لوگوں پر دردناک عذاب ہے جو دوسروں کا حق کم دیتے ہیں۔ اور کم ناپتے اور کم تولتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اپنا حق پورا پورا لیتے ہیں۔ (اس وقت تو ایک دمڑی بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔) لیکن جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دینے کا موقع آتا ہے تو اس وقت (ڈنڈی مار دیتے ہیں) کم کر دیتے ہیں۔ (جتنا حق دینا چاہئے تھا۔ اتنا نہیں دیتے)۔ (آگے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ) "کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ ایک عظیم دن میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، جس دن سارے انسان رب العالمین کے سامنے پیش ہونگے" (اور اس وقت انسان کو اپنے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں ہوگا، اور اس دن ہمارا اعمال نامہ ہمارے سامنے آجائے گا، تو کیا ان لوگوں کو یہ خیال نہیں کہ اس وقت کم ناپ کر اور کم

تول کر دنیا کے چند ٹکوں کا جو تھوڑا سا فائدہ اور نفع حاصل کر رہے ہیں، یہ چند ٹکوں کا فائدہ ان کے لئے جہنم کے عذاب کا سبب بن جائے گا۔ اس لئے قرآن کریم نے بار بار کم ناپنے اور کم تولنے کی برائی بیان فرمائی، اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بھی بیان فرمایا)۔

قوم شعیب علیہ السلام کا جرم

حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اس وقت ان کی قوم بہت سی معصیتوں اور نافرمانیوں میں مبتلا تھی، کفر، شرک اور بت پرستی میں تو مبتلا تھی۔ اس کے علاوہ پوری قوم کم ناپنے اور کم تولنے میں مشہور تھی، تجارت کرتے تھے، لیکن اس میں لوگوں کا حق پورا نہیں دیتے تھے، دوسری طرف وہ ایک انسانیت سوز حرکت یہ کرتے تھے کہ مسافروں کو راستے میں ڈرایا کرتے اور ان پر حملہ کر کے لوٹ لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو کفر، شرک اور بت پرستی سے منع کیا۔ اور توحید کی دعوت دی، اور کم ناپنے کم تولنے اور مسافروں کو راستے میں ڈرانے اور ان پر حملہ کرنے سے بچنے کا حکم دیا، لیکن وہ قوم اپنی بداعمالیوں میں مست تھی، اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات ماننے کے بجائے ان سے یہ پوچھا کہ:

"اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَايَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا"

(سورۃ ھود: ۸۷)

یعنی کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دے رہی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے، یا ہم اپنے مال میں جس طرح چاہیں، تصرف کرنا چھوڑ دیں۔

یہ ہمارا مال ہے ہم اس جس طرح چاہیں، حاصل کریں چاہے کم طول کر حاصل کریں یا کم ناپ کر حاصل کریں۔ یا دھوکہ دے کر حاصل کریں۔ تم ہمیں روکنے والے کون ہو؟ ان باتوں کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام ان کو محبت اور شفقت کے ساتھ سمجھاتے رہے۔ اور اللہ کے عذاب سے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن یہ لوگ باز نہ آئے۔ اور بالاخران کا وہی انجام ہوا جو نبی کی بات نہ ماننے والوں کا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عذاب بھیجا جو شاید کسی اور قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا۔

قوم شعیب علیہ السلام پر عذاب

وہ عذاب ان پر اس طرح آیا کہ پہلے تین دن متواتر پوری بستی میں سخت گرمی پڑی، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان سے انگارے برس رہے ہیں، اور زمین آگ اگل رہی ہے، حبس اور تپش نے ساری بستی والوں کو پریشان کر دیا، تین دن کے بعد بستی والوں نے دیکھا کہ اچانک ایک بادل کا ٹکڑا بستی کی طرف آرہا ہے، اور اس بادل کے نیچے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، چونکہ بستی کے لوگ تین دن سے سخت گرمی کی وجہ سے بلبلائے ہوئے تھے۔ اس لئے سارے بستی والے بہت اشتیاق کے ساتھ بستی چھوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے، تاکہ یہاں ٹھنڈی ہواؤں کا لطف اٹھائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بادل کے نیچے اس لئے جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ سب پر ایک ساتھ عذاب نازل کر دیا جائے، چنانچہ جب وہ سب وہاں جمع ہو گئے تو وہی بادل جس میں سے ٹھنڈی ہوائیں آرہی تھی۔ اس میں سے آگ کے انگارے برسنا شروع ہو گئے۔ اور ساری قوم ان انگاروں کا نشانہ بن کر جھلس کر ختم ہو گئی۔ اسی واقعہ کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ:

" فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ "

(سورۃ الشعراء: ۱۸۹)

ترجمہ: یعنی انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا، اس کے نتیجے میں ان کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

• فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○

(سورۃ القصص: ۵۸)

یعنی یہ ان کی بستیاں دیکھو، جو ان کی ہلاکت کے بعد آباد بھی نہیں ہو سکیں، مگر بہت کم، ہم ہی ان کے سارے مال و دولت اور جائیداد کے وارث بن گئے ـــــــــ وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ کم ناپ کر، کم تول کر، ملاوٹ کر کے، دھوکہ دے کر ہم اپنے مال و دولت میں اضافہ کریں گے، لیکن وہ ساری دولت دھری کی دھری رہ گئی۔

یہ آگ کے انگارے ہیں

اگر تم نے ڈنڈی مار کر ایک تولہ، یا دو تولہ، ایک چھٹانک یا دو چھٹانک مال خریدار کو کم دے دیا، اور چند پیسے کما لئے، دیکھنے میں تو یہ پیسے ہیں۔ لیکن حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں۔ جس کو تم اپنے پیٹ میں ڈال رہے ہو، حرام مال اور حرام کھانے کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا"

(سورۃ النساء: ۱۰)

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں۔ وہ درحقیقت

اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، جو لقمے حلق سے نیچے اتر رہے ہیں یہ حقیقت میں آگ کے انگارے ہیں، اگرچہ دیکھنے میں وہ روپیہ پیسہ اور مال و دولت نظر آرہا ہے۔ کیونکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اور اللہ کی معصیت اور نافرمانی کر کے یہ پیسے حاصل کئے گئے ہیں۔ یہ پیسے اور یہ مال و دولت دنیا میں بھی تباہی کا سبب ہے۔ اور آخرت میں بھی تباہی کا ذریعہ ہے۔

اجرت کم دینا گناہ ہے

اور یہ کم ناپنا اور کم تولنا صرف تجارت کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ کم ناپنا اور کم تولنا اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو امام المفسرین ہیں، سورۃ مطففین کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"شدة العذاب يومئذ للمطففين من الصلاة والزكاة والصيام وغير ذلك من العبادات"

(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس: سورۃ مطففین)

یعنی قیامت کے روز سخت عذاب ان لوگوں کو بھی ہوگا جو اپنی نماز، زکوۃ اور روزے اور دوسری عبادات میں کمی کرتے ہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادات میں کوتاہی کرنا۔ اس کو پورے آداب کے ساتھ ادا نہ کرنا بھی تطفیف کے اندر داخل ہے۔

مزدور کو مزدوری فوراً دے دو

یا مثلاً ایک آقا مزدور سے پورا پورا کام لیتا ہے، اس کو ذرا سی بھی سہولت دینے کو تیار نہیں ہے، لیکن تنخواہ دینے کے وقت اس کی جان نکلتی ہے، اور پوری تنخواہ نہیں دیتا، یا صحیح وقت پر نہیں دیتا۔ ٹال مٹول کرتا ہے، یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ اور تطفیف میں داخل ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ

(ابن ماجہ ابواب الاحکام، باب اجرا الاجراء۔ حدیث نمبر ۲۴۶۸)

یعنی مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو ○ اس لئے کہ جب تم نے اس سے مزدوری کرالی کام لے لیا تو اب مزدوری دینے میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

نوکر کو کھانا کیسا دیا جائے؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک نوکر رکھا، اور نوکر سے یہ طے کیا کہ تمہیں ماہانہ اتنی تنخواہ دی جائے گی۔ اور روزانہ دو وقت کا کھانا دیا جائے گا، لیکن جب کھانے کا وقت آیا تو خود تو خوب پلاؤ زردے اڑائے۔ اعلیٰ درجے کا کھانا کھایا، اور بچا کچا کھانا جس کو ایک معقول اور شریف آدمی پسند نہ کرے۔ وہ نوکر کے حوالے کر دیا۔ تو یہ بھی "تطفیف" ہے، اس لئے کہ جب تم نے اس کے ساتھ دو وقت کا کھانا طے کر لیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کو اتنی مقدار میں ایسا کھانا دو گے جو ایک معقول آدمی پیٹ بھر کر کھا سکے، لہٰذا اب اس کو بچا کچا کھانا دینا اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ ناانصافی ہے لہٰذا یہ بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہوگی۔

ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مارنا

یا مثلاً ایک شخص کسی محکمے میں، کسی دفتر میں آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے، تو گویا

کہ اس نے یہ آٹھ گھنٹے اس محکمے کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہیں، اور یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ میں آٹھ گھنٹے آپ کے پاس کام کروں گا۔ اور اس کے عوض اس کو اجرت اور تنخواہ ملے گی، اب اگر وہ اجرت تو پوری لیتا ہے، لیکن اس آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں کمی کر لیتا ہے، اور اس میں سے کچھ وقت اپنے ذاتی کاموں میں صرف کر لیتا ہے تو اس کا یہ عمل بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہے، حرام ہے۔ گناہ کبیرہ ہے یہ بھی اسی طرح گناہ گار ہے جس طرح کم ناپنے اور کم تولنے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اگر آٹھ گھنٹے کے بجائے سات گھنٹے کام کیا۔ تو ایک گھنٹے کی ڈیوٹی مار دی، گویا کہ اجرت کے وقت اپنا حق اجرت تو پورا لے رہا ہے۔ اور جب دوسروں کے حق دینے کا وقت آیا تو کم دے رہا ہے۔ لہٰذا تنخواہ کا وہ حصہ حرام ہو گا جو اس وقت کے بدلے میں ہو گا جو اس نے اپنے ذاتی کاموں میں صرف کیا۔

ایک ایک منٹ کا حساب ہو گا

کسی زمانے میں تو دفتروں میں ذاتی کام چوری چھپے ہوا کرتے تھے۔ مگر آج کل دفتروں کا یہ حال ہے کہ ذاتی کام چوری چھپے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ کھلم کھلا، علانیہ، ڈنکے کی چوٹ پر کیا جاتا ہے۔ اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں کہ تنخواہیں بڑھاؤ، الاؤنس بڑھاؤ، فلاں فلاں مراعات ہمیں دو، اور اس مقصد کے لئے احتجاج کرنے، جلسے جلوس کرنے اور نعرے لگانے کے لئے، ہڑتال کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے ذمے کیا حقوق عائد ہو رہے ہیں؟ ہم ان کو ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہم نے آٹھ گھنٹے کی ملازمت اختیار کی تھی۔ ان آٹھ گھنٹوں کو کتنی دیانت اور امانت کے ساتھ خرچ کیا۔ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں جاتا۔ یاد رکھو، ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جو دوسرے

کے حقوق میں کمی کرتے ہیں۔ اور جب دوسروں سے حق وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت پورا پورا لیتے ہیں، یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا، اس میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ

آپ حضرات نے دارالعلوم دیوبند کا نام سنا ہوگا، اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے اس ادارے کو اس امت کے لئے رحمت بنادیا، اور یہاں ایسے لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے صحابہ کرام کی یادیں تازہ کردیں، میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں اساتذہ کا یہ معمول تھا کہ دارالعلوم کے وقت میں اگر کوئی مہمان ملنے کے لئے آجاتا تو جس وقت وہ مہمان آتا اس وقت گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے۔ اور یہ نوٹ کر لیتے کہ یہ مہمان مدرسہ کے اوقات میں سے اتنا وقت میرے پاس رہا، پورا مہینہ اس طرح کرتے، اور جب مہینہ ختم ہو جاتا تو استاذ ایک درخواست پیش کرتے کہ چونکہ فلاں فلاں ایام میں اتنی دیر تک میں مہمان کے ساتھ مشغول رہا، اس وقت کو دارالعلوم کے کام میں صرف نہیں کر سکا، لہٰذا میری تنخواہ میں سے اتنے وقت کی تنخواہ کاٹ لی جائے۔

تنخواہ حرام ہوگی

آج تنخواہ بڑھانے کی درخواست دینے کے بارے میں تو آپ روزانہ سنتے ہیں۔ لیکن یہ کہیں سننے میں نہیں آتا کہ کسی نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے دفتری اوقات میں اتنا وقت ذاتی کام میں صرف کیا تھا۔ لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لی جائے۔ یہ عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی فکر ہو ۔۔۔۔۔ آج ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے مزدوری کرنے

والے۔ ملازمت کرنے والے لوگ کتنا وقت دیانت داری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر صرف کر رہے ہیں؟ آج ہر جگہ فساد برپا ہے۔ خلق خدا پریشان ہے۔ اور دفتر کے باہر دھوپ میں کھڑی ہے اور صاحب بہادر اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں مہمانوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہیں۔ چائے پی جارہی ہے۔ ناشتہ ہو رہا ہے۔ اس طرز عمل میں ایک طرف تو تنخواہ حرام ہو رہی ہے، اور دوسری طرف خلق خدا کو پریشان کرنے کا گناہ الگ ہو رہا ہے۔

سرکاری دفاتر کا حال

ایک سرکاری محکمے کے ذمہ دار افسر نے مجھے بتایا کہ میرے ذمے یہ ڈیوٹی ہے کہ میں ملازموں کی حاضری لگاؤں۔ ایک ہفتہ کے بعد ہفتہ بھر کا چٹھہ تیار کر کے افسر بالا کو پیش کرتا ہوں، تاکہ اس کے مطابق تنخواہیں تیار کی جائیں، اور میرے محکمے میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو مار پیٹ والے نوجوان ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اولاً تو دفتر میں آتے ہی نہیں ہیں، اور اگر کبھی آتے بھی ہیں تو ایک دو گھنٹے کے لئے آتے ہیں، اور یہاں آکر بھی یہ کرتے ہیں کہ دوستوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ کینٹین میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں، اور مشکل سے آدھا گھنٹہ دفتری کام کرتے ہیں، اور چلے جاتے ہیں۔ میں نے حاضری کے رجسٹر میں لکھ دیا کہ یہ حاضر نہیں ہوئے تو وہ لوگ پستول اور ریوالور لے کر مجھے مارنے کے لئے آگئے، اور کہا کہ ہماری حاضری کیوں نہیں لگائی؟ فوراً ہماری حاضری لگاؤ۔

اب مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اگر حاضری لگاتا ہوں تو جھوٹ ہوتا ہے، اور اگر نہیں لگاتا ہوں تو ان لوگوں کے غیض و غضب کا نشانہ بنتا ہوں۔ میں کیا کروں؟ آج ہمارے دفتروں کا یہ حال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی

اور سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے، اس حق کی ادائیگی میں کمی کرنا بھی کم ناپنے اور کم تولنے میں داخل ہے، مثلاً نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور نماز کا طریقہ بتا دیا گیا کہ اس طرح قیام کرو، اس طرح رکوع کرو، اس طرح سجدہ کرو، اس طرح اطمینان کے ساتھ اور اس طرح اطمینان کیساتھ سارے ارکان ادا کرو، اب آپ نے جلدی جلدی بغیر اطمینان کے ایک منٹ کے اندر نماز پڑھ لی۔ نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا۔ تو آپ نے اللہ کے حق میں کوتاہی کر دی، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صاحب نے جلدی جلدی نماز ادا کر لی۔ نہ رکوع اطمینان سے کیا۔ نہ سجدہ اطمینان سے کیا۔ تو ایک صحابی نے ان کی نماز دیکھ کر فرمایا کہ:

لقد طففت

تم نے نماز کے اندر تطفیف کی، یعنی اللہ تعالیٰ کا پورا حق ادا نہیں کیا۔

یاد رکھیے، کسی کا بھی حق ہو، چاہے اللہ تعالیٰ کا حق ہو، یا بندے کا حق ہو، اس میں جب کمی اور کوتاہی کی جائے گی تو یہ بھی ناپ تول میں کمی کے حکم میں داخل ہوگی۔ اور اس پر وہ ساری وعیدیں صادق آئیں گی جو قرآن کریم نے ناپ تول کی کمی پر بیان کی ہیں۔

ملاوٹ کرنا حق تلفی ہے

اسی طرح "تطفیف" کے وسیع مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جو چیز فروخت کی، وہ خالص فروخت نہیں، بلکہ اس کے اندر ملاوٹ کر دی، یہ ملاوٹ کرنا کم ناپنے اور کم تولنے میں اس لحاظ سے داخل ہے کہ مثلاً آپ نے ایک سیر آٹا فروخت کیا۔ لیکن اس ایک سیر آٹے میں خالص آٹا تو آدھا سیر ہے۔ اور آدھا

سیر کوئی اور چیز ملا دی ہے۔ اس ملاوٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خریدار کا جو حق تھا کہ اس کو ایک سیر آٹا ملتا۔ وہ حق اس کو پورا نہیں ملا اسلئے یہ بھی حق تلفی میں داخل ہے۔

اگر تھوک فروش ملاوٹ کرے؟

بعض لوگ یہ اشکال پیش کرتے ہیں کہ ہم خوردہ فروش ہیں ہمارے پاس تھوک فروشوں کی طرف سے جیسا مال آتا ہے، وہ ہم آگے فروخت کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ہم ملاوٹ نہیں کرتے، ملاوٹ تو تھوک فروش کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں لامحالہ وہ چیز ویسی ہی آگے فروخت کرنی پڑتی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص خود مال نہیں بناتا، اور نہ ملاوٹ کرتا ہے، بلکہ دوسرے سے مال لے کر آگے فروخت کرتا ہے تو اس صورت میں خریدار کے سامنے یہ بات واضح کر دے کہ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ اس میں کتنی اصلیت ہے، اور کتنی ملاوٹ ہے۔ البتہ میری معلومات کے مطابق اتنی اصلیت ہے، اور اتنی ملاوٹ ہے۔

خریدار کے سامنے وضاحت کر دے

لیکن ہمارے بازاروں میں بعض چیزیں ایسی ہیں۔ جو اصلی اور خالص ملتی ہی نہیں ہیں، بلکہ جہاں سے بھی لوگے، وہ ملاوٹ شدہ ہی ملے گی، اور سب لوگوں کو یہ بات معلوم بھی ہے کہ یہ چیز اصلی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔ ایسی صورت میں وہ تاجر جو اس چیز کو دوسرے سے خرید کر لایا ہے۔ اس کے ذمے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر ہر شخص کو اس چیز کے بارے میں بتائے۔ اس لئے کہ ہر شخص کو اس کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ خالص نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال ہو کہ خریدنے والا اس چیز کی حقیقت سے بے خبر ہے تو اس صورت میں اس کو بتانا چاہئے کہ یہ چیز خالص نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ملاوٹ ہے۔

عیب کے بارے میں گاہک کو بتا دے

اسی طرح اگر بیچے جانے والے سامان میں کوئی عیب ہو، وہ عیب خریدار کو بتا دینا چاہئے، تاکہ اگر وہ شخص اس عیب کے ساتھ اس کو خریدنا چاہتا ہے تو خرید لے، ورنہ چھوڑ دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من باع عیبا لم یبینہ لم یزل فی مقت اللہ، ولم تزل الملائکۃ تلعنہ"

(ابن ماجہ، ابواب التجارات، باب من باع عیبا فلیبینہ)

یعنی جو شخص عیب دار چیز فروخت کرے، اور اس عیب کے بارے میں وہ خریدار کو نہ بتائے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو ایسا شخص مسلسل اللہ کے غضب میں رہے گا، اور ملائکہ ایسے آدمی پر مسلسل لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

دھوکہ دینے والا ہم میں سے نہیں

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے، وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص گندم بیچ رہا ہے، آپ اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اور گندم کی ڈھیری میں اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو اوپر نیچے کیا تو یہ نظر آیا کہ اوپر تو اچھا گندم ہے، اور نیچے بارش اور پانی کے اندر گیلا ہو کر خراب ہو جانے والا گندم ہے، اب دیکھنے والا جب اوپر سے دیکھتا ہے تو اس کو یہ نظر آتا ہے کہ گندم بہت اچھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ تم نے یہ خراب والا گندم اوپر کیوں نہیں رکھا، تاکہ خریدار کو معلوم ہو جائے کہ یہ گندم ایسا ہے۔ وہ لینا چاہے تو لے لے۔ نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے، اس شخص نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، بارش کی وجہ سے کچھ گندم خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے اس کو نیچے کر دیا، آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، بلکہ اس کو اوپر کر دو اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

من غش فلیس منا

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من غش فلیس منا)

جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، یعنی جو شخص ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کہ بظاہر تو خالص چیز بیچ رہا ہے لیکن حقیقت میں اس میں کوئی دوسری چیز ملا دی گئی ہے یا بظاہر تو پوری چیز دے رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے کم دے رہا ہے تو یہ غش اور دھوکہ ہے اور جو شخص یہ کام کرے، وہ ہم میں سے نہیں ہے، یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ دیکھئے ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کتنی سخت بات فرما رہے ہیں، لہٰذا جو چیز بیچ رہے ہو، اس کی حقیقت خریدار کو بتا دو کہ اس کی یہ حقیقت ہے، لیکن خریدار کو دھوکے میں اور اندھیرے میں رکھنا منافقت ہے، مسلمان اور مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی دیانتداری

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جن کے ہم اور آپ سب مقلد ہیں، بہت بڑے تاجر تھے، کپڑے کی تجارت کرتے تھے، لیکن بڑے سے بڑے نفع کو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے قربان کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ان کے پاس کپڑے کا ایک تھان آیا، جس میں کوئی عیب تھا، چنانچہ آپ نے اپنے ملازموں کو جو دکان پر کام کرتے تھے، کہہ دیا کہ یہ تھان فروخت کرتے وقت گاہک کو بتا دیا جائے کہ اس کے اندر یہ عیب ہے۔ چند روز کے بعد ایک ملازم نے وہ تھان فروخت کر دیا۔ اور عیب بتانا بھول گیا، جب امام صاحب نے پوچھا کہ اس عیب دار تھان کا کیا ہوا؟ اس ملازم نے بتایا کہ حضرت میں نے اس کو فروخت کر دیا۔ اب اگر کوئی اور مالک ہوتا تو وہ ملازم کو شاباش دیتا کہ تم نے عیب دار تھان فروخت کر دیا۔ مگر امام صاحب نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کو اس کا عیب بتا دیا تھا؟ ملازم نے جواب دیا کہ میں عیب بتانا تو بھول گیا، آپ نے پورے شہر کے اندر اس

گاہک کی تلاش شروع کر دی جو وہ عیب دار تھان خرید کر لے گیا تھا۔ کافی تلاش کے بعد وہ گاہک مل گیا تو آپ نے اس کو بتایا کہ جو تھان آپ میری دکان سے خرید کر لائے ہیں۔ اس میں فلاں عیب ہے، اس لئے آپ وہ تھان مجھے واپس کر دیں اور اگر اسی عیب کے ساتھ رکھنا چاہیں تو آپ کی خوشی۔

آج ہمارا حال

آج ہم لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بتا دے، بلکہ جانتے ہیں کہ یہ عیب دار سامان ہے اس میں فلاں خرابی ہے۔ اس کے باوجود قسمیں کھا کھا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ بہت اچھی چیز ہے، اعلیٰ درجے کی ہے، اس کو خرید لیں۔

ہمارے اوپر یہ جو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو رہا ہے کہ پورا معاشرہ عذاب میں مبتلا ہے۔ ہر شخص بدامنی اور بے چینی اور پریشانی میں ہے، کسی شخص کی بھی جان، مال، آبرو محفوظ نہیں ہے۔ یہ عذاب ہمارے انہیں گناہوں کا نتیجہ اور وبال ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ دیا۔ سامان فروخت کرتے وقت اس کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح نہیں کرتے، ملاوٹ، دھوکہ، فریب عام ہو چکا ہے۔

بیوی کے حقوق میں کوتاہی گناہ ہے

اسی طرح آج شوہر بیوی سے تو سارے حقوق وصول کرنے کو تیار ہے۔ وہ ہر بات میں میری اطاعت بھی کرے، کھانا بھی پکائے، گھر کا انتظام بھی کرے، بچوں کی پرورش بھی کرے، ان کی تربیت بھی کرے، اور میرے ماتھے پر شکن بھی نہ آنے دے۔ اور چشم و آبرو کے اشارے کی منتظر رہے، یہ سارے حقوق وصول کرنے کو شوہر تیار ہے۔ لیکن جب بیوی کے حقوق ادا کرنے کا وقت

آئے، اس وقت ڈنڈی مار جائے، اور ان کو ادا نہ کرے، حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو حکم فرمادیا ہے کہ:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

(سورۃ النساء: ۱۹)

یعنی بیویوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیارکم خیارکم لنساءھم

(ترمذی کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا)

یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

استوصوا بالنساء خیرًا

(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المدارۃ مع النساء)

یعنی عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی نصیحت کو قبول کرلو یعنی ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔

اللہ اور اللہ کے رسول تو ان کے حقوق کی ادائیگی کی اتنی تاکید فرمارہے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے پورے حقوق ادا کرنے کو تیار نہیں، یہ سب کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے۔ اور شرعاً حرام ہے۔

مہر معاف کرانا حق تلفی ہے

ساری زندگی میں بے چاری عورت کا ایک ہی مالی حق شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے۔ وہ ہے مہر، وہ بھی شوہر ادا نہیں کرتا۔ ہوتا یہ ہے کہ ساری زندگی تو مہر ادا نہیں کیا۔ جب مرنے کا وقت قریب آیا تو بستر مرگ پر پڑے ہیں۔ دنیا

سے جانے والے ہیں۔ رخصتی کا منظر ہے، اس وقت بیوی سے کہتے ہیں کہ مہر معاف کر دو، اب اس موقع پر بیوی کیا کرے؟ کیا رخصت ہونے والے شوہر سے یہ کہہ دے کہ میں معاف نہیں کرتی، چنانچہ اس کو مہر معاف کرنا پڑتا ہے ــــــ ساری عمر اس سے فائدہ اٹھایا، ساری عمر تو اس سے حقوق طلب کئے۔ لیکن اس کا حق دینے کا وقت آیا تو اس میں ڈنڈی مار گئے۔

نفقہ میں کمی حق تلفی ہے

یہ تو مہر کی بات تھی، نفقہ کے اندر شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس کو اتنا نفقہ دیا جائے کہ وہ آزادی اور اطمینان کے ساتھ گزارہ کر سکے، اگر اس میں کمی کرے گا تو یہ بھی کم ناپنے اور کم تولنے کے اندر داخل ہے۔ اور حرام ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس کسی کا کوئی حق دوسرے کے ذمے واجب ہو۔ وہ اس کو پورا ادا کرے۔ اس میں کمی نہ کرے، ورنہ اس عذاب کا مستحق ہوگا جس عذاب کی وعید اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہے۔

یہ ہمارے گناہوں کا وبال ہے

ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب ہم مجلس جما کر بیٹھتے ہیں تو حالات پر تبصرہ کرتے ہیں کہ بہت حالات خراب ہو رہے ہیں۔ بدامنی ہے، بے چینی ہے، ڈاکے پڑ رہے ہیں، جان محفوظ نہیں، مال محفوظ نہیں، معاشی بدحالی کے اندر مبتلا ہیں ــــــ یہ سب تبصرے ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص ان تمام پریشانیوں کا حل تلاش کر کے اس کا علاج کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ مجلس کے بعد دامن جھاڑ کر اٹھ جاتے ہیں۔

ارے، یہ دیکھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ خود سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ کوئی کرنے والا کر رہا ہے۔ اس کائنات کا کوئی ذرہ اور کوئی پتہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا، لہٰذا اگر بدامنی اور بے چینی آ رہی ہے تو اس کی مشیت

سے آرہی ہے۔ اگر سیاسی بحران پیدا ہو رہا ہے تو وہ بھی اللہ کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اگر چوریاں اور ڈکیتیاں ہو رہی ہیں تو اسی کی مشیت سے ہو رہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ"

(سورۃ الشوریٰ: ۳۰)

یعنی جو کچھ تمہیں برائی یا مصیبت پہنچ رہی ہے۔ وہ سب تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ہے، اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ

(سورۃ الفاطر: ۴۵)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ہر گناہ پر پکڑ کرنے پر آجائیں تو روئے زمین پر کوئی چلنے والا جانور باقی نہ رہے۔ سب ہلاک و برباد ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اور اپنی رحمت سے بہت سے گناہ معاف کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب تم حد سے بڑھ جاتے ہو، اس وقت اس دنیا کے اندر بھی تم پر عذاب نازل کئے جاتے ہیں۔ تاکہ تم سنبھل جاؤ، اگر اب بھی سنبھل گئے تو تمہاری باقی زندگی بھی درست ہو جائے گی، اور آخرت بھی درست ہو جائے گی، لیکن اگر اب بھی نہ سنبھلے تو یاد رکھو، دنیا کے اندر تو تم پر عذاب آہی رہا ہے، اللہ بچائے ——— آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حرام کے پیسوں کا نتیجہ

آج ہر شخص اس فکر میں ہے کہ کسی طرح دو پیسے جلدی سے ہاتھ آجائیں، کل کے بجائے آج ہی مل جائیں، چاہے حلال طریقے سے ملیں، یا حرام

طریقے سے ملیں، دھوکہ دے کر ملیں، یا فریب دے کر ملیں، یا دوسرے کی جیب کاٹ کر ملیں۔ لیکن مل جائیں۔ یاد رکھو، اس فکر کے نتیجے میں تمہیں دو پیسے مل جائیں گے، لیکن یہ دو پیسے نہ جانے کتنی بڑی رقم تمہاری جیب سے نکال کر لے جائیں گے، یہ دو پیسے دنیا میں تمہیں کبھی امن اور سکون نہیں دے سکتے، یہ دو پیسے تمہیں چین کی زندگی نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ دو پیسے تم نے حرام طریقے سے، اور دوسرے کی جیب پر ڈاکہ ڈال کر، دوسرے انسان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر حاصل کئے ہیں۔ لہٰذا گنتی میں تو یہ پیسے شاید اضافہ کر دیں، لیکن تمہیں چین نہیں لینے نہیں دیں گے۔ اور کوئی دوسرا شخص تمہاری جیب پر ڈاکہ ڈال دے گا، اور اس سے زیادہ نکال کر لے جائے گا، آج بازاروں میں یہی ہو رہا ہے کہ آپ نے ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کر پیسے کمائے۔ دوسری طرف دو مسلح افراد آپ کی دکان میں داخل ہوئے۔ اور اسلحہ کے زور پر آپ کا سارا اثاثہ اٹھا کر لے گئے۔ اب بتایئے، جو پیسے آپ نے حرام طریقے سے کمائے تھے۔ وہ فائدہ مند ثابت ہوئے، یا نقصان دہ ثابت ہوئے؟ لیکن اگر تم حرام طریقہ اختیار نہ کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھتے تو اس صورت میں یہ پیسے اگرچہ گنتی میں کچھ کم ہوتے۔ لیکن تمہارے لئے آرام اور سکون اور چین کا ذریعہ بنتے۔

عذاب کا سبب گناہ ہیں

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو بہت امانت اور دیانت کے ساتھ پیسے کمائے تھے، اس کے باوجود ہماری دکان پر بھی ڈاکو آگئے، اور لوٹ کر لے گئے ——— بات یہ ہے کہ ذرا غور کرو کہ اگرچہ تم نے امانت اور دیانت سے کمائے تھے۔ لیکن یقین کرو کہ تم سے کوئی نہ کوئی گناہ ضرور سرزد ہوا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ یہی فرما رہے ہیں کہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچ رہی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچ رہی ہے، ہو سکتا ہے کہ تم نے کوئی گناہ کیا ہو،

لیکن اس کا خیال اور دھیان نہیں کیا، ہو سکتا ہے کہ تم نے زکوۃ پوری ادا نہ کی ہو، یا زکوۃ کا حساب صحیح نہ کیا ہو۔ یا اور کوئی گناہ کیا ہو۔ اس کے نتیجے میں یہ عذاب تم پر آیا ہو۔

یہ عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا

دوسرے یہ کہ جب کوئی گناہ معاشرے میں پھیل جاتا ہے، اور اس گناہ سے کوئی روکنے والا بھی نہیں ہوتا تو اس وقت جب اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب آتا ہے تو عذاب یہ نہیں دیکھتا کہ کس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اور کس نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ عذاب عام ہوتا ہے تمام لوگ اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً

(سورۃ الانفال: ۲۵)

یعنی اس عذاب سے ڈرو، جو صرف ظالموں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا، بلکہ جو لوگ ظلم سے علیحدہ تھے۔ وہ بھی اس عذاب میں پکڑے جائیں گے، اس لئے کہ اگرچہ یہ لوگ خود تو ظالم نہیں تھے۔ لیکن کبھی ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ کبھی ظلم کو مٹانے کی جدوجہد نہیں کی، اس ظلم کے خلاف ان کی پیشانی پر بل نہیں آیا، اس لئے گویا کہ وہ بھی اس ظلم میں ان کے ساتھ شامل تھے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہم تو بڑی امانت اور دیانت کے ساتھ تجارت کر رہے تھے، اس کے باوجود ہمارے ہاں چوری ہو گئی۔ اور ڈاکہ پڑ گیا، اتنی بات کہہ دینا کافی نہیں۔ اس لئے کہ اس امانت اور دیانت کو دوسروں تک پہنچانے کا کام تم نے انجام نہیں دیا، اس کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اس عذاب میں تم بھی گرفتار ہو گئے۔

غیر مسلموں کی ترقی کا سبب

ایک زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کا یہ شیوہ تھا کہ تجارت بالکل صاف ستھری

ہو۔ اس میں دیانت اور امانت ہو۔ دھوکہ اور فریب نہ ہو۔ آج مسلمانوں نے تو ان چیزوں کو چھوڑ دیا، اور انگریزوں اور امریکیوں اور دوسری مغربی اقوام نے ان چیزوں کو اپنی تجارت میں اختیار کر لیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی تجارت کو فروغ ہو رہا ہے۔ دنیا پر چھا گئے ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یاد رکھو، باطل کے اندر کبھی ابھرنے اور ترقی کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے:

"اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا"

یعنی باطل تو مٹنے کے لئے آیا ہے، لیکن اگر کبھی تمہیں یہ نظر آئے کہ کوئی باطل ترقی کر رہا ہے، ابھر رہا ہے۔ تو سمجھ لو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگ گئی ہے۔ اور اس حق چیز نے اس کو ابھار دیا ہے۔ لہٰذا یہ باطل لوگ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے، آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان کو دنیا کے اندر بھی ذلیل اور رسوا کر دیا جاتا۔ لیکن کچھ حق چیزیں ان کے ساتھ لگ گئیں، وہ امانت اور دیانت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی تھی، وہ انہوں نے اختیار کر لی، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت کو ترقی عطا فرمائی، آج وہ پوری دنیا پر چھا گئے۔ اور ہم نے تھوڑے سے نفع کے خاطر امانت اور دیانت کو چھوڑ دیا، اور دھوکہ، فریب کو اختیار کر لیا، اور یہ نہ سوچا کہ یہ دھوکہ، فریب آگے چل کر ہماری اپنی تجارت کو تباہ و برباد کر دے گی۔

مسلمانوں کا طرۂ امتیاز

مسلمان کا ایک طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ تجارت میں کبھی دھوکہ اور فریب نہیں دیتا، ناپ تول میں کبھی کمی نہیں کرتا، کبھی ملاوٹ نہیں کرتا، امانت اور دیانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا

کے سامنے ایسا ہی معاشرہ پیش کیا اور صحابہ کرام کی شکل میں ایسے ہی لوگ تیار کئے؛ جنہوں نے تجارت میں بڑے سے بڑے نقصان کو گوارہ کر لیا، لیکن دھوکہ اور فریب دینے کو گوارہ نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت بھی چمکائی، اور ان کی سیاست بھی چمکائی۔ ان کا بول بالا کیا۔ اور انہوں نے دنیا سے اپنی طاقت اور قوت کا لوہا منوایا۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ عام مسلمان نہیں بلکہ وہ مسلمان جو پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ بازار میں جاتے ہیں تو سب احکام بھول جاتے ہیں، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام صرف مسجد تک کے لئے ہیں۔ بازار کے لئے نہیں۔ خدا کے لئے اس فرق کو ختم کریں۔ اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کے تمام احکامات کو بجالائیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ "تطفیف" کے اندر وہ تمام صورتیں داخل ہیں، جس میں ایک شخص اپنا حق تو پورا پورا وصول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ لیکن اپنے ذمے جو دوسروں کے حقوق واجب ہیں۔ وہ اس کو ادا نہ کرے، ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ)

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے" یہ نہ ہو کہ اپنے لئے تو پیمانہ کچھ اور ہے، اور دوسروں کے لئے پیمانہ کچھ اور ہے۔ جب تم دوسروں کے ساتھ کوئی معاملہ کرو تو اس وقت یہ سوچو کہ اگر یہی معاملہ کوئی دوسرا شخص میرے ساتھ کرتا تو مجھے ناگوار ہوتا، میں اس کو اپنے اوپر ظلم تصور کرتا۔ تو اگر میں بھی یہ معاملہ جب دوسروں کے ساتھ کروں گا تو وہ بھی آخر انسان ہے۔ اس کو

بھی اس سے ناگواری اور پریشانی ہوگی۔ اس پر ظلم ہوگا، اس لئے مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔

لہٰذا ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں کہ کہاں کہاں ہم سے حق تلفیاں ہو رہی ہیں، کم ناپنا، کم تولنا، دھوکہ دینا، ملاوٹ کرنا، فریب دینا، عیب دار چیز فروخت کرنا، یہ تجارت کے اندر حرام ہیں۔ جس کی وجہ سے تجارت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال آرہا ہے۔ یہ سب حق تلفی اور "تطفیف" کے اندر داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس حقیقت کا فہم اور ادراک عطا فرمائے، اور حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور "تطفیف" کے وبال اور عذاب سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بھائی بھائی بن جاؤ

١

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱ ـ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ـــــــ ۳۱ جنوری ۱۹۹۲ء

مقام ـــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بھائی بھائی بن جاؤ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین۔

(الحجرات: ۱۰)

آیت کا مفہوم

یہ آیت جو ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا تمہارے دو بھائیوں کے درمیان کوئی رنجش یا لڑائی ہو گئی ہو تو تمہیں چاہئے کہ ان کے درمیان صلح کراؤ اور صلح کرانے میں اللہ سے ڈرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سزاوار اور مستحق ہو جاؤ۔

جھگڑے دین کو مونڈنے والے ہیں

قرآن و سنت میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کسی قیمت پر پسند نہیں، مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو یا جھگڑا ہو یا ایک دوسرے سے کھچاؤ اور تناؤ کی صورت پیدا ہو یا رنجش ہو یہ اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ حتی الامکان اس آپس کی رنجشوں اور جھگڑوں کو، باہمی نفرتوں اور عداوتوں کو کسی طرح ختم کرو۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ ارشاد فرمایا:

"اصلاح ذات البین فساد ذات البین الحالقة"

(ابوداؤد کتاب الادب باب فی اصلاح ذات البین)

یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرانا۔ اور اس لئے اس کے جھگڑے مونڈنے والے ہیں یعنی مسلمانوں کے درمیان آپس میں جھگڑے کھڑے ہو جائیں، فساد برپا ہو جائے، ایک دوسرے کا نام لینے کے روادار نہ رہیں۔ ایک دوسرے سے بات نہ کریں بلکہ ایک دوسرے سے زبان اور ہاتھ سے لڑائی کریں یہ چیزیں انسان کے دین کو مونڈ دینے والی ہیں یعنی انسان کے اندر جو دین کا جذبہ ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا جو جذبہ ہے وہ اس کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے بالآخر انسان کا دین تباہ ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ آپس کے جھگڑے اور فساد سے بچو۔

باطن کو تباہ کرنے والی چیز

بزرگوں نے فرمایا کہ آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا، اور ایک دوسرے سے بغض اور عداوت رکھنا یہ انسان کے باطن کو اتنا زیادہ تباہ کرتا ہے کہ اس سے زیادہ تباہ کرنے والی چیز کوئی اور نہیں ہے اب اگر انسان نماز بھی پڑھ رہا ہے روزے بھی رکھ رہا ہے تسبیحات بھی پڑھ رہا ہے وظیفے اور نوافل کا بھی پابند ہے ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اگر وہ انسان لڑائی جھگڑے میں لگ جاتا ہے تو یہ لڑائی جھگڑا اس کے باطن کو تباہ و برباد کر دیگا اور اس کو اندر سے کھوکلا کر دیگا۔ اس لئے کہ اس لڑائی کے نتیجے میں ، کے دل میں دوسرے کی طرف سے بغض ہوگا اور اس بغض کی خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو کبھی انصاف پر قائم نہیں رہنے دیتا لہذا وہ انسان دوسرے کے ساتھ کبھی ہاتھ سے زیادتی کریگا کبھی زبان سے زیادتی کریگا کبھی دوسرے کا مالی حق چھیننے کی کوشش کریگا۔

اللہ کی بارگاہ میں اعمال کی پیشی

صحیح مسلم کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر پیر کے دن اور جمعرات کے دن تمام انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یوں تو ہر وقت ساری مخلوق کے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کے عمل سے واقف ہیں یہاں تک دلوں کے بھید کو جانتے ہیں کہ کس کے دل میں کس وقت کیا خیال آرہا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ ویسے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ ان دو دنوں میں مخلوق کے اعمال پیش کئے جائیں تاکہ ان کی بنیاد پر ان کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔

وہ شخص روک لیا جائے

بہرحال اعمال پیش ہونے کے بعد جب کسی انسان کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اس ہفتے کے اندر ایمان کی حالت میں رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں آج کے دن اس کی مغفرت کا اعلان کرتا ہوں۔ یعنی یہ شخص ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیگا بلکہ کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہو جائیگا لہٰذا اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ یہ اعلان بھی فرما دیتے ہیں:

"الا من بینہ و بین اخیہ شحناء فیقال انظروا ھذین حتی یصطلحا"

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فیمن یھجر اخاہ المسلم)

لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس میں کینہ اور بغض ہو ان کو روک لیا جائے۔ ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ میں ابھی نہیں کرتا، یہاں کہ ان دونوں کے درمیان آپس میں صلح نہ ہو جائے۔

بغض سے کفر کا اندیشہ

سوال یہ ہے کہ اس شخص کے جنتی ہونے کا اعلان کیوں روک دیا گیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ یوں تو جو شخص بھی کوئی گناہ کرے گا، قاعدے کے اعتبار سے اس کو اس گناہ کا بدلہ ملیگا اس کے بعد جنت میں جائیگا لیکن اور جتنے گناہ ہیں ان کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ گناہ اس کو کفر اور شرک میں جتلا کر دیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چونکہ صاحب ایمان ہے اس لئے اس کے جنتی ہونے کا اعلان ابھی کر دو۔ جہاں تک اس کے گناہوں کا تعلق

ہے تو اگر یہ ان سے توبہ کر لیگا تو معاف ہو جائیں گے اور اگر توبہ نہیں کریگا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں چلا جائیگا۔ لیکن بغض اور عداوت ایسے گناہ ہیں کہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں یہ اس کو کفر اور شرک میں مبتلا نہ کر دیں اور اس کا ایمان سلب نہ ہو جائے اس لئے ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ اس وقت تک کے لئے روک دو جب تک یہ دونوں آپس میں صلح نہ کرلیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں آپس کا باہمی بغض اور نفرت کتنا ناپسند ہے۔

شب برات میں بھی مغفرت نہیں ہوگی

شب برات کے بارے میں یہ حدیث آپ حضرات نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اس رات میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں جتنے قبیلہ کلب کی بکریوں کے جسم پر بال ہیں، لیکن دو آدمی ایسے ہیں کہ ان کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی ایک وہ شخص جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے بغض ہو کینہ ہو اور عداوت ہو۔ وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، رحمت کی ہوائیں چل رہی ہیں، اس حالت میں بھی وہ شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اپنا ازار جامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا ہو اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔

بغض کی حقیقت

اور "بغض" کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بدخواہی کی فکر کرنا کہ اس کو کسی طرح نقصان پہنچ جائے یا اس کی بدنامی ہو، لوگ اس کو برا سمجھیں اس

پر کوئی بیماری آجائے اس کی تجارت بند ہو جائے یا اس کو تکلیف پہنچ جائے تو اگر دل میں دوسرے شخص کی طرف سے بدخواہی پیدا ہو جائے اس کو "بغض" کہتے ہیں لیکن اگر ایک شخص مظلوم ہے، کسی دوسرے شخص نے اس پر ظلم کیا ہے تو ظاہر ہے کہ مظلوم کے دل میں ظالم کے خلاف جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کا مقصد اپنے آپ سے اس ظلم کو دفع کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ ظلم نہ کرے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم سے ظلم کا بدلہ لینے کی اور اپنے سے ظلم کا دفاع کرنے کی بھی اجازت دی ہے چنانچہ اس وقت مظلوم اس ظالم کے اس ظلم کو تو اچھا نہ سمجھے بلکہ اس کو برا سمجھے لیکن اس وقت بھی اس ظالم کی ذات سے کوئی کینہ نہ رکھے اس کی ذات سے بغض نہ کرے اور نہ بدخواہی کی فکر کرے تو مظلوم کا یہ عمل بغض میں داخل نہ ہوگا۔

حسد اور کینہ کا بہترین علاج

یہ "بغض" حسد سے پیدا ہوتا ہے۔ دل میں پہلے دوسرے کی طرف سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ گیا، میں پیچھے رہ گیا اور اب اس کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے دل میں جلن اور کڑھن ہو رہی ہے گھٹن ہو رہی ہے اور دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ میں اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچاؤں اور نقصان پہنچانا قدرت اور اختیار میں نہیں ہے اس کے نتیجے میں جو گھٹن پیدا ہو رہی ہے اس سے انسان کے دل میں "بغض" پیدا ہو جاتا ہے لہذا "بغض" سے بچنے کا پہلا راستہ یہ ہے کہ اپنے دل سے پہلے حسد کو ختم کرے اور بزرگوں نے حسد دور کرنے کا طریقہ یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ حسد پیدا ہو جائے کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا تو اس حسد کا علاج یہ ہے کہ وہ اس شخص کے حق میں یہ دعا کرے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما۔ جس وقت اس کے حق میں یہ دعا کریگا اس وقت دل پر آرے چل جائیں گے، اس کے لئے دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ اس کی ترقی

نہ ہو بلکہ نقصان ہو جائے لیکن زبان سے وہ یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ اس کو اور ترقی عطا فرما۔ چاہے دل پر آرے چل جائیں لیکن بتکلف اور زبردستی اس کے حق میں دعا کرے۔ حسد دور کرنے کا یہ بہترین علاج ہے اور جب حسد دور ہو جائیگا تو انشاء اللہ بغض بھی دور ہو جائیگا لہٰذا ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے اور جس کے بارے میں بھی یہ خیال ہو کہ اس کی طرف سے دل میں بغض یا کینہ ہے تو اس شخص کو اپنی پنج وقتہ نمازوں کی دعاؤں میں شامل کر لے یہ حسد اور کینہ کا بہترین علاج ہے۔

دشمنوں پر رحم، نبی کی سیرت

دیکھئے، مشرکین مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام پر ظلم کرنے اور آپ کو تکلیف دینے، ایذاء پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک آپ کے خون کے پیاسے ہوگئے، اعلان کر دیا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لائیگا، س کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے۔ غزوہ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش کی حتی کہ آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا، دندان مبارک شہید ہوئے لیکن اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ دعا تھی کہ:

"اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون"

اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرمایئے ان کو علم نہیں ہے یہ ناواقف اور جاہل ہیں میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں اس لئے میرے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ اندازہ لگایئے کہ وہ لوگ ظالم تھے اور ان کے ظلم میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کی طرف سے بغض اور کینہ کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا تو یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت اور آپ کا اسوہ ہے کہ بد خواہی کا بدلہ بدخواہی سے نہ دیں بلکہ اس کے حق میں دعا کریں اور یہی حسد اور

بغض کو دور کرنے کا بہترین علاج ہے۔
بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ آپس کے جھگڑے آخر کار دل میں بغض اور حسد پیدا کر دیتے ہیں، اسلئے کہ جب جھگڑا لمبا ہو تو دل میں بغض ضرور پیدا ہو گا۔ اور جب بغض پیدا ہو گا تو دل کی دنیا تباہ ہو جائیگی، اور باطن خراب ہو گا، اور اسکے نتیجے میں انسان اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیگا، اسلئے حکم یہ ہے کہ آپس کے جھگڑے سے بچو، اور ان سے دور رہو۔

جھگڑا علم کا نور زائل کر دیتا ہے

یہاں تک کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جھگڑا تو جسمانی ہوتا ہے، جس میں ہاتا پائی ہوتی ہے اور ایک جھگڑا پڑھے لکھوں کا اور علماء کا ہوتا ہے، وہ ہے مجادلہ، مناظرہ اور بحث و مباحثہ، ایک عالم نے ایک بات پیش کی، دوسرے نے اسکے خلاف بات کی، اس نے ایک دلیل دی، دوسرے نے اسکی دلیل کا رد لکھ دیا، سوال و جواب اور رد و قدح کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے، اسکو بھی بزرگوں نے کبھی پسند نہیں فرمایا، اسلئے کہ اسکی وجہ سے باطن کا نور زائل ہو جاتا ہے — چنانچہ یہی حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المراء یذھب بنور العلم"

یعنی علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں — دیکھئے، ایک تو ہوتا ہے "مذاکرہ" مثلاً ایک عالم نے ایک مسئلہ پیش کیا، دوسرے عالم نے کہا کہ اس مسئلے میں مجھے فلاں اشکال ہے، اب دونوں بیٹھ کر افہام و تفہیم کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، یہ ہے "مذاکرہ" یہ بڑا اچھا عمل ہے، لیکن یہ جھگڑا کہ ایک عالم نے دوسرے کے خلاف ایک مسئلے کے سلسلے میں اشتہار شائع کر دیا، یا کوئی پمفلٹ یا کتاب شائع کر دی، اب دوسرے عالم نے اس کے خلاف کتاب شائع کر دی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا — یا ایک عالم نے دوسرے کے خلاف تقریر کر دی۔ دوسرے عالم نے اسکے خلاف تقریر کر دی۔ اور یوں مخالفت برائے

مخالفت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ ہے "مجادلہ اور جھگڑا" جس کو ہمارے بزرگوں نے، ائمہ دین نے بالکل پسند نہیں فرمایا۔

حضرت تھانویؒ کی قوت کلام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت کلام میں ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی بھی مسئلہ پر بحث و مباحثہ کیلئے آجاتا تو آپ چند منٹ میں اسکو لاجواب کر دیتے تھے، بلکہ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار تھے اور بستر پر لیٹے ہوئے تھے، اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھروسے پر یہ بات کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقل مند لوگ جمع ہو کر آجائیں، اور اسلام کے کسی بھی معمولی سے مسئلے پر کوئی اعتراض کریں تو انشاء اللہ یہ ناکارہ دو منٹ میں ان کو لاجواب کر سکتا ہے ــــ پھر فرمایا کہ: میں تو ایک ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی تو بڑی شان ہے"

چنانچہ واقعہ یہ تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی آدمی کسی مسئلہ پر بات چیت کرتا تو چند منٹ سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا۔

مناظرہ سے عموماً فائدہ نہیں ہوتا

خود حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب میں دارالعلوم دیوبند سے درس نظامی کر کے فارغ ہوا تو اس وقت مجھے باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق

تھا۔ چنانچہ کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، کبھی غیر مقلدین سے تو کبھی بریلویوں سے کبھی ہندوؤں سے، اور کبھی سکھوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، چونکہ نیا نیا فارغ ہوا تھا، اسلئے شوق اور جوش میں یہ مناظرے کرتا رہا۔ لیکن بعد میں میں نے مناظرے سے توبہ کرلی، اسلئے کہ تجربہ یہ ہوا اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اپنی باطنی کیفیات پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس لئے میں نے اسکو چھوڑ دیا ــــــ بہر حال، جب ہمارے بزرگوں نے حق و باطل کے درمیان بھی مناظرے کو پسند نہیں فرمایا تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر، یا دنیاوی معاملات کی بنیاد پر مناظرہ کرنے اور لڑائی جھگڑا کرنے کو کیسے پسند فرما سکتے ہیں، یہ جھگڑا ہمارے باطن کو خراب کر دیتا ہے۔

جنت میں گھر کی ضمانت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ومن ترك المراء وهو محق بنى له فى وسط الجنة"

(ترمذی۔ باب ماجاء فی المراء ج ۲ ص ۲۰)

یعنی میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، یعنی جو شخص حق پر ہونے کے باوجود یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں حق کا زیادہ مطالبہ کروں گا تو جھگڑا کھڑا ہو جائیگا، چلو اس حق کو چھوڑ دو، تاکہ جھگڑا ختم ہو جائے، اس کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میں اسکو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں ــ اس سے اندازہ لگائیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھگڑا ختم کرانے کی کتنی فکر تھی، تاکہ آپس کے جھگڑے ختم ہو جائیں، ہاں، اگر کہیں معاملہ بہت آگے بڑھ جائے، اور قابل برداشت نہ ہو تو ایسی صورت میں اسکی اجازت ہے کہ مظلوم ظالم کا دفاع بھی کرے، اور اس سے بدلہ لینا بھی جائز ہے، لیکن حتی الامکان یہ کوشش ہو کہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

جھگڑوں کے نتائج

آج ہمارا معاشرہ جھگڑوں سے بھر گیا ہے، اسکی بے برکتی اور ظلمت پورے معاشرے میں اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ عبادتوں کے نور محسوس نہیں ہوتے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں، کہیں خاندانوں میں جھگڑے ہیں، تو کہیں میاں بیوی میں جھگڑا ہے، کہیں دوستوں میں جھگڑا ہے، کہیں بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، کہیں رشتہ داروں میں جھگڑا ہے، اور تو اور علماء کرام کے درمیان آپس میں جھگڑے ہو رہے ہیں، اہل دین میں جھگڑے ہو رہے ہیں، اور اسکے نتیجے میں دین کا نور ختم ہو چکا ہے۔

جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ جھگڑے کس طرح ختم ہوں؟ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ آپ حضرات کو سناتا ہوں، جو بڑا زرین اصول ہے، اگر انسان اس اصول پر عمل کرلے تو امید ہے کہ پچہتر فیصد جھگڑے تو وہیں ختم ہو جائیں، چنانچہ فرمایا کہ:

> "ایک کام یہ کرلو کہ دنیا والوں سے امید باندھنا چھوڑ دو، جب امید چھوڑ دو گے تو انشاء اللہ پھر دل میں کبھی بغض اور جھگڑے کا خیال نہیں آئیگا"

دوسرے لوگوں سے جو شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ فلاں شخص کو ایسا کرنا چاہئے تھا، اس نے نہیں کیا، جیسی میری عزت کرنی چاہئے تھی، اس نے ایسی عزت نہیں کی، جیسی میری خاطر مدارات کرنی چاہئے تھی، اس نے ویسی نہیں کی، یا فلاں شخص کے ساتھ میں نے فلاں احسان کیا تھا، اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا، وغیرہ وغیرہ، یہ شکایتیں اسلئے پیدا ہوتی ہیں کہ دوسروں سے توقعات وابستہ کر رکھی

ہیں، اور جب وہ توقع پوری نہیں ہوئی تو اسکے نتیجے میں دل میں گرہ پڑ گئی کہ اس نے میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا، اور دل میں شکایت پیدا ہو گئی ـــــ ایسے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو اس سے جاکر کہدو کہ مجھے تم سے یہ شکایت ہے، تمہاری یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی، مجھے بری لگی، پسند نہیں آئی، یہ کہکر اپنا دل صاف کر لو، لیکن آجکل بات کہکر دل صاف کرنے کا دستور ختم ہو گیا، بلکہ اب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو اور اس شکایت کو دل میں لیکر بیٹھ جاتا ہے ـــــ اسکے بعد کسی اور موقع پر کوئی اور بات پیش آگئی، ایک گرہ اور پڑ گئی، چنانچہ آہستہ آہستہ دل میں گرہیں پڑتی چلی جاتی ہیں، وہ پھر بغض کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، اور بغض کے نتیجے میں آپس میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

توقعات مت رکھو

اسلئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھگڑے کی جڑ اس طرح کاٹو کہ کسی سے کوئی توقع ہی مت رکھو ـــ کیا مخلوق سے توقعات وابستہ کئے بیٹھے ہو کہ فلاں یہ دیدیگا، فلاں یہ کام کر دیگا، توقع تو صرف اس سے وابستہ کرو جو خالق اور مالک ہے بلکہ دنیا والوں سے تو برائی کی توقع رکھو کہ ان سے تو ہمیشہ برائی ہی ملیگی، اور پھر برائی کی توقع رکھنے کے بعد اگر کبھی اچھائی مل جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ، آپ کا شکر اور احسان ہے ـــ اور اگر برائی ملے تو پھر خیال کر لو کہ مجھے تو پہلے ہی برائی کی توقع تھی، تو اب اسکے نتیجے میں دل میں شکایت اور بغض پیدا نہیں ہو گا۔ اور پھر دشمنی بھی پیدا نہیں ہوگی، نہ جھگڑا ہو گا، لہذا کسی سے توقع ہی مت رکھو۔

بدلہ لینے کی نیت مت کرو

اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور اصول یہ بیان فرمایا

کہ جب تم کسی دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرو، یا اچھا سلوک کرو، تو صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے کرو، مثلاً کسی کی مدد کرو، یا کسی شخص کی سفارش کرو، یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یا کسی کی عزت کرو، تو یہ سوچ کر کرو کہ میں اللہ کو راضی کرنے کیلئے یہ برتاؤ کر رہا ہوں، اپنی آخرت سنوارنے کیلئے یہ کام کر رہا ہوں، جب اس نیت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو اس صورت میں اس برتاؤ پر بدلہ کا انتظار نہیں کرو گے۔۔۔ اب اگر فرض کریں کہ آپ نے ایک شخص کے ساتھ اچھا سلوک کیا، مگر اس شخص نے تمہارے اچھے سلوک کا بدلہ اچھائی کے ساتھ نہیں دیا، اور اس نے تمہارے احسان کرنے کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا، تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہو گا کہ میں نے تو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا، اور اس نے میرے ساتھ الٹا سلوک کیا، لیکن اگر آپ نے اسکے ساتھ اچھا سلوک صرف اللہ کو راضی کرنے کیلئے کیا تھا، تو اس صورت میں اسکی طرف سے برے سلوک پر کبھی شکایت پیدا نہیں ہوگی، اسلئے کہ آپ کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی۔۔۔ اگر ان دو اصولوں پر ہم سب عمل کر لیں تو پھر آپس کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں۔ اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے تو میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔۔

حضرت مفتی صاحب ؒ کی عظیم قربانی

ہم نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کی پوری زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، جھگڑا ختم کرنے کی خاطر بڑے سے بڑا حق چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ ان کا ایک واقعہ سناتا ہوں جس پر آج لوگوں کو یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔۔۔ یہ دارالعلوم جو اس وقت

کورنگی میں قائم ہے، پہلے نانک واڑہ میں ایک چھوٹی سی عمارت میں قائم تھا، جب کام زیادہ ہوا تو اس کیلئے وہ جگہ تنگ پڑ گئی، وسیع اور کشادہ جگہ کی ضرورت تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ایسی مدد ہوئی کہ بالکل شہر کے وسط میں حکومت کی طرف سے ایک بہت بڑی اور کشادہ جگہ مل گئی، جہاں آجکل اسلامیہ کالج قائم ہے، جہاں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی ہے، یہ کشادہ جگہ دارالعلوم کراچی کے نام الاٹ ہوگئی، اس زمین کے کاغذات مل گئے، قبضہ مل گیا، اور ایک کمرہ بھی بنا دیا گیا، ٹیلیفون بھی لگ گیا، اسکے بعد دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھتے وقت ایک جلسہ تاسیس منعقد ہوا، جس میں پورے پاکستان کے بڑے بڑے علماء حضرات تشریف لائے، اس جلسہ کے موقع پر کچھ حضرات نے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ یہ جگہ دارالعلوم کو نہیں ملنی چاہئے تھی، بلکہ فلاں کو ملنی چاہئے تھی، اتفاق سے جھگڑے میں ان لوگوں نے ایسے بعض بزرگ ہستیوں کو بھی شامل کر لیا، جو حضرت والد صاحب کیلئے باعث احترام تھیں، والد صاحب نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو جائے، لیکن وہ ختم نہیں ہوا، والد صاحب نے یہ سوچا کہ جس مدرسے کا آغاز ہی جھگڑے سے ہو رہا ہے، تو اس مدرسے میں کیا برکت ہوگی؟ چنانچہ والد صاحب نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں اس زمین کو چھوڑتا ہوں۔

مجھے اس میں برکت نظر نہیں آتی

دارالعلوم کی مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے حضرت والد صاحب سے کہا کہ حضرت! یہ آپ کیسا فیصلہ کر رہے ہیں؟ اتنی بڑی زمین، وہ بھی شہر کے وسط میں، ایسی زمین ملنا بھی مشکل ہے، اب جبکہ یہ زمین آپ کو مل چکی ہے، آپ کا اس پر قبضہ ہے، آپ ایسی زمین کو چھوڑ کر الگ ہو رہے ہیں؟ حضرت والد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ میں مجلس منتظمہ کو اس زمین کے چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتا، اسلئے کہ مجلس منتظمہ درحقیقت اس زمین کی مالک ہو چکی ہے، آپ

حضرات اگر چاہیں تو مدرسہ بنالیں، میں اس میں شمولیت اختیار نہیں کرونگا، اسلئے کہ جس مدرسے کی بنیاد جھگڑے پر رکھی جارہی ہو، اس مدرسے میں مجھے برکت نظر نہیں آتی، پھر حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے میں اسکو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں ــ آپ حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ شہر کے بیچوں بیچ ایسی زمین کہاں ملے گی، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میں اسکو جنت کے بیچ میں گھر دلواؤنگا ــ یہ کہکر اس زمین کو چھوڑ دیا ــ آج کے دور میں اسکی مثال ملنی مشکل ہے کہ کوئی شخص اس طرح جھگڑے کی وجہ سے اتنی بڑی زمین چھوڑ دے، لیکن جس شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کامل یقین ہے، وہی یہ کام کرسکتا ہے ــ اسکے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ چند ہی مہینوں کے بعد اس زمین سے کئی گنا بڑی زمین عطا فرمادی، جہاں آج دارالعلوم قائم ہے ــ یہ تو میں نے آپ حضرات کے سامنے ایک مثال بیان کی، ورنہ حضرت والد صاحب کو ہم نے ساری زندگی حتی الامکان اس حدیث پر عمل کرتے دیکھا ــ ہاں، البتہ جس جگہ دوسرا شخص جھگڑے کے اندر پھانس ہی لے، اور دفاع کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو وہ الگ بات ہے ــ ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو لیکر بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں شخص نے یہ بات کہی تھی، فلاں نے ایسا کیا تھا، اب ہمیشہ کیلئے اسکو دل میں بٹھالیا، اور جھگڑا کھڑا ہوگیا، آج ہمارے پورے معاشرے کو اس چیز نے تباہ کردیا ہے، یہ جھگڑا انسان کے دین کو مونڈ دیتا ہے، اور انسان کے باطن کو تباہ کردیتا ہے اسلئے خدا کیلئے آپس کے جھگڑوں کو ختم کردو، اور اگر دو مسلمان بھائیوں میں جھگڑا دیکھو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی پوری کوشش کرو۔

صلح کرانا صدقہ ہے

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل سلامى من الناس عليه صدقة كل يوم

تطلع فيه الشمس، يعدل بين الاثنين صدقة، ويعين الرجل في دابته فيحمله عليها او يرفع له عليها متاعه صدقة، والكلمة الطيبة صدقة، وبكل خطوة يمشيها الى الصلاة صدقة، ويميط الاذى عن الطريق صدقة۔

(مسند احمد جلد ۲ ص ۳۱۶)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے جسم میں جتنے جوڑ ہیں، ہر جوڑ کی طرف سے انسان کے ذمہ روزانہ ایک صدقہ کرنا واجب ہے ــــــ اسلئے کہ ہر جوڑ ایک مستقل نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے، اور ایک انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں، لہٰذا ہر انسان کے ذمے روزانہ تین سو ساٹھ صدقے واجب ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس صدقے کو اتنا آسان فرمایا کہ انسان کے چھوٹے چھوٹے عمل کو صدقہ کے اندر شمار فرما دیا ہے، تاکہ کسی طرح تین سو ساٹھ کی گنتی پوری ہو جائے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، کہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا اور رنجش تھی، تم نے ان دونوں کے درمیان مصالحت کرا دی، یہ مصالحت کرانا ایک صدقہ ہے، اسی طرح ایک شخص اپنے گھوڑے پر یا سواری پر سوار ہونا چاہ رہا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس سے سوار نہیں ہوا جا رہا تھا، اب تم نے سوار ہونے میں اسکی مدد کر دی، اور اسکو سہارا دیدیا، یہ سہارا دیدینا اور سوار کرا دینا ایک صدقہ ہے، یا ایک شخص اپنی سواری پر سامان لادنا چاہتا تھا، لیکن اس بیچارے سے لادا نہیں جا رہا تھا، اب تم نے اسکی مدد کرتے ہوئے وہ سامان لدوا دیا، اسکی [illegible] دیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے ــــ اس طرح کسی شخص سے کوئی اچھا کلمہ کہہ دیا، مثلاً کوئی غمزدہ آدمی تھا، تم نے اسکو کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا، اور اسکی تسلی کر دی، یا کسی سے کوئی بات ایسی کہہ دی جس سے اس مسلمان کا دل خوش ہو گیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے ــــ اسی طرح جب نماز کیلئے تم مسجد کی طرف جا رہے

ہو، تو ہر قدم جو مسجد کی طرف اٹھ رہا ہے، وہ ایک صدقہ شمار ہو رہا ہے ـــــ اسی طرح راستے میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہے، جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، آپ نے اسکو راستے سے ہٹا دیا، یہ بھی ایک صدقہ ہے ـــــ

بہر حال اس حدیث میں سب سے پہلی چیز جسکو صدقہ شمار کرایا ہے، وہ ہے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا، اس سے معلوم ہوا کہ صلح کرانا اجر و ثواب کا موجب ہے۔

اسلام کا کرشمہ

" وعن ام کلثوم بنت عقبۃ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا، قالت: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس فینمی خیراً او یقول خیراً "

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس)

یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، اور عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ہیں، اور عقبہ بن ابی معیط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا، انتہاء درجہ کا مشرک، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والے، جیسے ابو جہل اور امیہ ابن ابی خلف تھے، جو کٹر قسم کے مشرک تھے، یہ بھی انہیں میں سے تھا ـــ اور یہ وہ شخص تھا، جس کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی، چنانچہ بد دعا کرتے ہوئے فرمایا:

" اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِکَ "

(فتح الباری جلد ۴ ص ۳۹)

اے اللہ، درندوں میں سے کسی درندے کو اس پر مسلط فرما دے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بد دعا قبول ہوئی، بالآخر ایک شیر کے ذریعہ اس کا انتقال ہوا ـــ تو ایک طرف باپ تو ایسا دشمن اسلام تھا، دوسری طرف اسکی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت عطا فرمائی، اور صحابیہ بننا

گئیں۔

ایسا شخص جھوٹا نہیں

بہر حال، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان مصالحت کی خاطر کوئی اچھی بات ادھر سے ادھر پہنچا دیتا ہے، یا ایک کی بات دوسرے کو اس انداز سے نقل کرتا ہے، کہ اسکے دل میں دوسرے کی قدر پیدا ہو، اور نفرت دور ہو جائے، ایسا شخص کذاب اور جھوٹا نہیں ہے ـــــ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی بات کہہ رہا ہے جو بظاہر سچ نہیں ہے، لیکن وہ بات اس لئے کہہ رہا ہے تاکہ اسکے دل سے دوسرے مسلمان کی برائی نکل جائے آپس کے دل کا غبار دور ہو جائے، اور نفرتیں ختم ہو جائیں، اس مقصد سے اگر وہ ایسی بات کہہ رہا ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں شمار نہیں ہو گا۔

صریح جھوٹ جائز نہیں

علماء کرام نے فرمایا کہ صریح جھوٹ بولنا تو جائز نہیں، البتہ ایسی گول مول بات کرنا جسکا ظاہری مفہوم تو واقعہ کے خلاف ہے، لیکن دل میں ایسی معنی مراد لے لئے جو واقعہ کے مطابق تھے، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان نفرت اور لڑائی ہے، یہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں وہ اس کا نام سننے کا روادار نہیں، اب ایک شخص ان میں سے ایک کے پاس گیا تو اس نے دوسرے کی شکایت کرنی شروع کر دی کہ وہ تو میرا ایسا دشمن ہے، تو اس شخص نے کہا کہ تم تو اسکی برائیاں بیان کر رہے ہو، حالانکہ وہ تو تمہارا بڑا خیر خواہ ہے، اسلئے کہ میں نے خود سنا ہے کہ تمہارے حق میں دعا کر رہا تھا ـــــ

اب دیکھیے کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے نہیں سنا تھا، مگر اس نے دل میں یہ مراد لیا کہ اس نے یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا کہ "اللھم اغفر للمومنین" اے اللہ، تمام مؤمنین کی مغفرت فرما، چونکہ یہ بھی مسلمان تھا، اسلئے یہ بھی اس دعا میں داخل ہو گیا تھا ____ اب سامنے والا یہ سمجھے گا کہ خاص طور پر میرا نام لیکر دعا کر رہا ہو گا ___ ایسی بات کہدینا جھوٹ میں داخل نہیں، بلکہ انشاء اللہ، اس پر بھی اجر و ثواب ملیگا۔

زبان سے اچھی بات نکالو

اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کے ارادے سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں کہ سے ایسی بات کہو جس سے اسکے دل سے دوسرے کی نفرت دور ہو جائے ایسی بات نہ کہو کہ ان کے درمیان نفرت کی آگ تو پہلے سے لگی ہوئی ہے اور اب آپ نے جا کر ایسی بات سنا دی جس نے آگ پر تیل کا کام کیا، اور جس کے نتیجے میں نفرت دور ہونے کے بجائے نفرت کی آگ اور بھڑک گئی، یہ انتہائی درجے کی رذالت کا کام ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی ناپسند ہے۔

صلح کرانے کی اہمیت

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ آپ نے سنا ہو گا کہ "دروغ مصلحت آمیز، بہ از راستی فتنہ انگیز" یعنی ایسا جھوٹ جس کے ذریعہ دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت مقصود ہو، اس سچ سے بہتر ہے جس سچ سے فتنہ پیدا ہو، لیکن اس جھوٹ سے مراد یہ نہیں کہ صریح جھوٹ بول دیا جائے، بلکہ ایسی

بات کہہ دے جو دو معنی رکھتی ہو، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے جھوٹ کی اجازت دیدی تو آپ اسی سے اندازہ لگائیے کہ دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ختم کرانے کی کس قدر اہمیت ہے۔

ایک صحابی کا واقعہ

"عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم صوت خصوم بالباب عالیة اصواتهما، واذا احدهما یستوضع الآخر ویسترفقه فی شیء، وهو یقول: والله لا افعل، فخرج علیهما رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: این المتالی علی الله لا یفعل المعروف؟ فقال: انا یا رسول الله، فله ای ذلك احب؟"

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب هل یشیر الامام بالصلح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے، اتنے میں باہر سے دو آدمیوں کے جھگڑنے کی آواز سنی، اور جھگڑا اس بات تھا کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے قرضہ لیا تھا، قرض خواہ دوسرے سے قرض کا مطالبہ کر رہا تھا کہ میرا قرضہ واپس کرو، مقروض یہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت میرے اندر سارا قرضہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، تم کچھ قرضہ لیلو، کچھ چھوڑ دو، اس جھگڑنے کے اندر ان دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھی، اور جھگڑنے کے دوران اس قرض خواہ نے یہ قسم کھالی کہ "واللہ لا افعل" خدا کی قسم میں قرضہ کم نہیں کرونگا، اس دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے، اور آکر آپ نے پوچھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کرونگا؟ اسی وقت وہ شخص آگے بڑھا، اور کہا کہ میں ہوں یا رسول اللہ، اور پھر فوراً دوسرا جملہ یہ کہا کہ یہ

شخص جتنا چاہے اس قرض میں سے کم دیدے، میں چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔

صحابہ کرام کی حالت

یہ تھے صحابہ کرام، کہاں تو جذبات کا یہ عالم تھا کہ آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ وہ کم کرانے چاہتے تھے تو یہ کم کرنے کیلئے تیار نہیں تھے، اور کم نہ کرنے پر قسم بھی کھالی کہ میں کم نہیں کرونگا، اسکے بعد نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے قرضہ چھوڑنے کا حکم فرمایا، اور نہ ہی چھوڑنے کا مشورہ دیا، بلکہ صرف اتنا فرمادیا کہ کہاں ہے وہ شخص جو یہ قسم کھارہا ہے کہ میں نیک کام نہیں کرونگا، بس، اتنی بات سننے کے بعد وہیں ڈھیلے پڑ گئے، اور سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور جھگڑا ختم ہو گیا، وجہ یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اس قدر رام تھے کہ جب آپ کی زبان سے ایک جملہ سن لیا تو اسکے بعد مجال نہیں تھی کہ آگے بڑھ جائیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس جذبہ کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمادے، اور تمام مسلمانوں کے درمیان آپس کے اختلافات اور جھگڑے ختم فرمادے، اور تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

بیمار کی عیادت کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ـــــــ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۹۳ء بروز جمعہ

مقام ـــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیمار کی عیادت کے آداب

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان سيدنا و سندنا و نبينا و مولانا محمدا عبده و رسوله، صلى الله تعالى عليه و على اله و اصحابه و بارك و سلم تسليما كثيرا كثيرا اما بعد:

عن البراء بن عازب رضي الله عنهما قال: امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبع، عيادة المريض و اتباع الجنائز و تشميت العاطس، و نصر الضعيف، و عون المظلوم، و افشاء السلام، و ابرار المقسم۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الاستئذان باب افشاء السلام)

سات باتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا، نمبر ایک۔ مریض کی عیادت کرنا، دوسرے جنازوں کے پیچھے چلنا تیسرے چھینکنے والے کے "الحمد للہ" کہنے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا، چوتھے کمزور آدمی کی مدد کرنا، پانچویں مظلوم کی امداد کرنا، چھٹے سلام کو رواج دینا، ساتویں قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا۔

یہ ساتوں چیزیں جن کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حکم فرمایا ہے، بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کے آداب میں سے ہے کہ وہ ان باتوں کا اہتمام کرے۔ اس لئے ان ساتوں چیزوں کو تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام باتوں پر سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بیمار پرسی ایک عبادت

سب سے پہلی چیز جس کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا وہ ہے مریض کی عیادت کرنا اور بیمار کی بیمار پرسی کرنا۔ مریض کی عیادت کرنا یہ مسلمان کے حقوق میں سے بھی ہے اور یہ ایسا عمل ہے جس کو ہم سب کرتے ہیں۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے زندگی میں کبھی بیمار پرسی نہ کی ہو لیکن ایک بیمار پرسی تو صرف رسم پوری کرنے کے لئے کی جاتی ہے کہ اگر ہم اس بیمار کی عیادت کرنے کے لئے نہ گئے تو لوگوں کو شکایت ہوگی، ایسی صورت میں انسان دل پر جبر کر کے عیادت کرنے کے لئے جاتا ہے۔ اس لئے کہ دل میں اخلاص نہیں ہے، ایک عیادت تو یہ ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس عیادت کا ذکر فرما رہے ہیں وہ عیادت ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ ہو، اخلاص کے ساتھ اور اجر و ثواب حاصل کرنے کی نیت سے انسان عیادت کرے، احادیث میں عیادت کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ اسی عیادت پر مرتب ہوتے ہیں۔

سنت کی نیت سے بیمار پرسی کریں

مثلاً آپ ایک شخص کی عیادت کرنے جا رہے ہیں اور دل میں یہ خیال ہے

کہ جب ہم بیمار پڑیں گے تو یہ بھی ہماری عیادت کے لئے آئیگا۔ لیکن اگر یہ ہماری عیادت کے لئے نہیں آئیگا تو پھر آئندہ ہم بھی اس کی عیادت کے لئے نہیں جائیں گے۔ ہمیں اس کی عیادت کی کیا ضرورت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عیادت "بدلے" کے لئے ہو رہی ہے، رسم پوری کرنے کے لئے ہو رہی ہے، ایسی عیادت پر کوئی ثواب نہیں ملے گا لیکن جب عبادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو اس صورت میں آدمی یہ نہیں دیکھتا کہ میں جب بیمار ہوا تھا۔ اس وقت یہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر یہ نہیں بھی، آیا تھا تب بھی میں اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس جاؤنگا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ عیادت خالصتاً اللہ کے لئے کی جارہی ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری کرنے کیلئے کی جارہی ہے۔

شیطانی حربہ

یہ شیطان ہمارا بڑا دشمن ہے، اس نے ہماری اچھی خاصی عبادتوں کا ملیا میٹ کر رکھا ہے، اگر ان عبادتوں کو ہم صحیح نیت اور صحیح ارادے سے کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بڑا اجر و ثواب ملے اور آخرت کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے لیکن شیطان یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے لئے آخرت میں اجر و ثواب کا بڑا ذخیرہ تیار ہو جائے، اس لئے وہ ہماری بہت سی عبادتوں میں ہماری نیتوں کو خراب کرتا رہتا ہے۔ مثلاً عزیزوں اور رشتہ داروں، یا دوست احباب سے میل ملاقات کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کو ہدیہ اور تحفہ دینا، یہ سب بڑے اجر و ثواب کے کام ہیں اور سب دین کا حصہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، اور ان کاموں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے اجر و ثواب کے وعدے ہیں۔ لیکن شیطان نیت کو خراب کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص یہ سوچتا ہے کہ جو شخص میرے ساتھ جیسا سلوک کریگا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرونگا۔ مثلاً فلاں

شخص کے گھر سے میرے گھر کبھی کوئی ہدیہ نہیں آیا، میں اس کے گھر کیوں ہدیہ بھیجوں؟ جب میرے ہاں شادی ہوئی تھی تو اس نے کچھ نہیں دیا تھا۔ میں اس کے ہاں شادی میں کیوں ہدیہ دوں؟ اور فلاں شخص نے چونکہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر تحفہ دیا تھا، لہٰذا میں بھی اس کی شادی میں ضرور تحفہ دونگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کو ہدیہ اور تحفہ دینے کا عمل جس کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ شیطان نے اس کے اجر و ثواب کو خاک ملا دیا، اور اب آپس میں ہدیہ اور تحفہ کا جو لین دین ہو رہا ہے، وہ بطور رسم کے ہو رہا ہے، اور بطور "نیوتہ" ہو رہا ہے، یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔

صلہ رحمی کی حقیقت

صلہ رحمی وہ ہے جو اس بات کو دیکھے بغیر کی جائے کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جایئے۔ آپ نے فرمایا کہ:

' لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل من اذا قطعت رحمہ وصلھا '

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے جو مکافات کرے اور بدلہ دے اور ہر وقت اس ناپ تول میں لگا رہے کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا اور میں اس کے ساتھ کیسا سلوک کروں۔ بلکہ صلہ رحمی کرنے والا درحقیقت وہ شخص ہے کہ دوسرے شخص کے قطع رحمی کرنے کے باوجود یہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رہا ہے یا مثلاً دوسرا شخص تو اس کے لئے کبھی کوئی تحفہ نہیں لایا، لیکن یہ اس کے لئے تحفہ لیکر جا رہا ہے۔ اور اس نیت سے لیجا رہا ہے کہ ہدیہ دینے کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہے، لہٰذا

اب دوسرا شخص ہدیہ دے یا نہ دے میں تو ہدیہ دونگا، اس لئے کہ میں "بدلہ" کا قائل نہیں ہوں میں اس کو درست نہیں سمجھتا۔ حقیقت میں ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا ہے، لہٰذا ہر معاملے میں ترازو لیکر مت بیٹھ جایا کرو کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا، جیسا اس نے کیا تھا میں بھی ویسا ہی کرونگا یہ غلط ہے بلکہ صلہ رحمی کو عبادت سمجھ کر انجام دینا چاہئے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ میرا دوست تو نماز نہیں پڑھتا، اس لئے میں بھی نہیں پڑھتا۔ یا میرا دوست جیسی نماز پڑھتا ہے، میں بھی ویسی ہی پڑھوں، نماز کے وقت یہ خیال نہیں آتا، اس لئے کہ اس کی نماز اس کے ساتھ، تمہاری نماز تمہارے ساتھ، اس کا عمل اس کے ساتھ، تمہارا عمل تمہارے ساتھ، بالکل اسی طرح صلہ رحمی بھی ایک عبادت ہے، اگر وہ صلہ رحمی کی عبادت انجام نہیں دے رہا ہے تو تم تو اس عبادت کو انجام دو، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اگر وہ تمہاری عیادت کے لئے نہیں آرہا ہے تو تم تو اس کی عیادت کے لئے جاؤ، اس لئے کہ عیادت کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

بیمار پرسی کی فضیلت

یہ عبادت بھی ایسی عظیم الشان ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"ان المسلم اذا عاد اخاہ المسلم لم یزل فی خرفۃ الجنۃ حتی یرجع"

(صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ، باب فضل عیادۃ المریض)

یعنی جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے، جتنی دیر وہ عیادت کرتا ہے، وہ مسلسل جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ جب تک وہ واپس نہ آجائے ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما من مسلم يعود مسلما غدوة الا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يمسي وان عاده عشية الا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يصبح وكان له خريف في الجنة"

(ترمذی کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض)

یعنی جب کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح سے لیکر شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو شام سے لیکر صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایک باغ متعین فرما دیتے ہیں۔

ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں حاصل کریں

یہ کوئی معمولی اجر و ثواب ہے، فرض کریں کہ گھر کے قریب ایک پڑوسی بیمار ہے تم اس کی عیادت کے لئے چلے گئے اور پانچ منٹ کے اندر اتنے عظیم الشان اجر کے مستحق بن گئے۔ کیا پھر بھی یہ دیکھو گے کہ وہ میری عیادت کے لئے آیا تھا یا نہیں؟ اگر اس نے یہ ثواب حاصل نہیں کیا، اگر اس نے ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں نہیں لیں اگر اس نے جنت کا باغ حاصل نہیں کیا تو کیا تم یہ کہو گے کہ میں بھی جنت کا باغ حاصل نہیں کرنا چاہتا، اور مجھے بھی ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اسے ضرورت نہیں۔ دیکھئے! اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ نے کتنا آسان بنا دیا ہے، لوٹ کا معاملہ ہے۔ اس لئے عیادت کے لئے جاؤ، چاہے دوسرا شخص تمہاری عیادت کے لئے آئے یا نہ آئے۔

اگر بیمار سے ناراضگی ہو تو

بلکہ اگر وہ بیمار ایسا شخص ہے، جس کی طرف سے تمہارے دل میں کراہیت ہے، اس کی طرف سے دل کھلا ہوا نہیں ہے، طبیعت کو اس سے مناسبت نہیں ہے، پھر بھی عیادت کے لئے جاؤ گے تو انشاء اللہ دوہرا ثواب ملیگا، ایک عیادت کرنے کا ثواب اور دوسرے ایک ایسا مسلمان جس کی طرف سے دل میں انقباض تھا۔ اس انقباض کے ہوتے ہوئے تم نے اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا۔ اس پر علیحدہ ثواب ملیگا، لہٰذا مریض کی عیادت معمولی چیز نہیں ہے، خدا کے لئے رسم بنا کر اس کے ثواب کو ضائع مت کرو، صرف اس نیت سے عیادت کرو کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، آپ کی سنت ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔

مختصر عیادت کریں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کے بھی کچھ آداب بیان فرمائے ہیں، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی تفصیل آپ نے بیان نہ فرمائی ہو، ایسے ایسے آداب آپ بتا کر تشریف لے گئے جن کو آج ہم نے بھلا دیا اور ان آداب کو زندگی سے خارج کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ زندگی عذاب بنی ہوئی ہے، اگر ہم ان آداب اور تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو زندگی جنت بن جائے چنانچہ عیادت کے آداب بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:

"من عاد منکم فلیخفف"۔

جب تم کسی کی عیادت کرنے جاؤ تو ہلکی پھلکی عیادت کرو یعنی ایسا نہ ہو کہ ہمدردی کی خاطر عیادت کرنے جاؤ، اور جا کر اس مریض کو تکلیف پہنچا دو بلکہ وقت دیکھ لو کہ یہ وقت عیادت کے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ یہ وقت اس کے آرام کرنے کا تو نہیں ہے؟ یا اس وقت وہ گھر والوں کے پاس تو نہیں ہوگا؟ اس وقت میں اس کو

پردہ وغیرہ کا انتظام کرانے میں تکلیف تو نہیں ہوگی، لہٰذا مناسب وقت دیکھ کر عیادت کے لئے جاؤ،

یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے

اور جب عیادت کے لئے جاؤ تو مریض کے پاس تھوڑا بیٹھو، اتنا زیادہ مت بیٹھو جس سے اس کو گرانی ہونے لگے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون انسانی فطرت سے واقف ہو سکتا ہے دیکھئے. بیمار کی طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ ذرا بے تکلف رہے، ہر کام بلا تکلف انجام دے لیکن جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کی وجہ سے طبیعت میں تکلف آجاتا ہے، مثلاً وہ پاؤں پھیلا کر لیٹنا چاہتا ہے، مہمان کے احترام کی وجہ سے نہیں لیٹ سکتا، یا اپنے گھر والوں سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے مگر اس کی وجہ سے نہیں کر سکتا، اب ہوا یہ کہ تم تو عیادت کی نیت سے ثواب کمانے کے لئے گئے لیکن تمہاری وجہ سے وہ بیمار مشقت میں پڑ گیا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیادت میں ایسا طریقہ اختیار مت کرو جس کی وجہ سے اس مریض پر گرانی ہو، بلکہ ہلکی پھلکی عیادت کرو، مریض کے پاس جاؤ، مسنون طریقے سے اس کا مختصر حال پوچھو، اور جلدی سے رخصت ہو جاؤ، تاکہ اس پر گرانی نہ ہو، یہ نہ ہو کہ اس کے پاس جاکر جم کر بیٹھ گئے، اور ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اب وہ بیچارہ نہ تو بے تکلفی سے کوئی کام انجام دے سکتا ہے نہ گھر والوں کو اپنے پاس بلا سکتا ہے، مگر آپ اس کی ہمدردی میں گھنٹوں اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے ایسی عیادت سے ثواب ہونے کے بجائے الٹا گناہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کا ایک واقعہ

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بہت اونچے درجے کے صوفیاء میں سے ہیں، محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے کمالات عطا فرمائے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا اس لئے آپ سے محبت کرنے والے لوگ بھی بہت تھے، اس لئے بیماری کے دوران عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، لوگ آرہے ہیں اور خیریت پوچھ کر واپس جارہے ہیں، لیکن ایک صاحب ایسے آئے جو وہیں جم کر بیٹھ گئے، اور واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتے تھے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ کی خواہش یہ تھی کہ یہ صاحب واپس جائیں تو میں اپنے ضروری کام بلا تکلف انجام دوں اور گھر والوں کو اپنے پاس بلاؤں، مگر وہ صاحب تو ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں لگے رہے جب بہت دیر گزر گئی اور وہ شخص جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تو آخر حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی یہ بیماری تو اپنی جگہ تھی مگر عیادت کرنے والوں نے الگ پریشان کر رکھا ہے، نہ مناسب وقت دیکھتے ہیں اور نہ آرام کا خیال کرتے ہیں اور عیادت کے لئے آجاتے ہیں، اس شخص نے جواب میں کہا کہ حضرت. یقیناً ان عیادت کرنے والوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں دروازے کو بند کر دوں؟ تاکہ آئندہ کوئی عیادت کرنے کے لئے نہ آئے۔ وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا کہ میری وجہ سے حضرت والا کو تکلیف ہو رہی ہے آخر کار حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ ہاں! دروزاہ بند تو کر دو، مگر باہر جا کر بند کر دو۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم تکلیف پہنچا رہے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ان کی خدمت کر رہے ہیں۔

عیادت کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کرو

لہٰذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام عیادت نہیں اور نہ عیادت کا یہ مقصد ہے کہ اس کے ذریعہ برکت حاصل ہو، یہ نہیں کہ بڑی محبت سے عیادت کے لئے گئے اور جاکر شیخ کو تکلیف پہنچادی۔ محبت کے لئے عقل درکار ہے، یہ نہیں کہ اظہار تو محبت کا کر رہے ہیں اور حقیقت میں تکلیف پہنچائی جارہی ہے، ایسی محبت محبت نہیں ہے بلکہ وہ دشمنی ہے، وہ نادان دوست کی محبت ہے، لہٰذا عیادت میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جس شخص کی عیادت کے لئے گئے ہو اس کو تکلیف نہ ہو یا مثلاً آپ رات کو بارہ بجے عیادت کے پہنچ گئے جو اس کے سونے کا وقت ہے یا دوپہر کو آرام اور قیلولے کے وقت عیادت کے لئے پہنچ گئے اور اس کو پریشان کر دیا۔ اس لئے عقل سے کام لو سوچ سمجھ کر جاؤ کہ تمہارے جانے سے اس کو تکلیف نہ پہنچے تب تو عیادت سنت ہے ورنہ پھر وہ رسم ہے۔ بہرحال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا پہلا ادب یہ بیان فرمایا کہ ہلکی پھلکی عیادت کرو۔

بے تکلف دوست زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہے

البتہ بعض لوگ ایسے بے تکلف ہوتے ہیں کہ ان کے زیادہ دیر بیٹھنے سے بیمار کو تکلیف کے بجائے تسلی ہوتی ہے اور راحت حاصل ہوتی ہے تو ایسی صورت میں زیادہ دیر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بے تکلف اور محبت کرنے والے استاذ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے تو حضرت والد صاحب ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، مسنون طریقے سے عیادت کی، جاکر سلام کیا، خیریت معلوم کی، اور دعا کی، اور دو چار منٹ کے بعد واپس جانے کی

اجازت طلب کی، تو میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں: یہ جو تم نے اصول پڑھا ہے کہ من عاد منکم فلیخفف (یعنی جو شخص عیادت کرے وہ ہلکی پھلکی عیادت کرے) کیا یہ میرے لئے ہی پڑھا تھا؟ یہ قاعدہ میرے اوپر آزما رہے ہو؟ ارے یہ اصول اس وقت نہیں ہے جب بیٹھنے والے کے بیٹھنے سے مریض کو آرام اور راحت ملے، تسلی ہو، اس لئے جلد واپس جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ چنانچہ حضرت والد صاحب بیٹھ گئے، بہرحال ہر جگہ کے لئے ایک ہی نسخہ نہیں ہوتا، بلکہ جیسا موقع ہو، جیسے حالات ہوں ویسے ہی عمل کرنا چاہئے لہٰذا اگر آرام اور راحت پہنچانے کے لئے زیادہ بیٹھے گا تو انشاء اللہ زیادہ ثواب حاصل ہوگا اس لئے کہ اصل مقصود تو اس کو راحت پہنچانا ہے اور تکلیف سے بچانا ہے۔

مریض کے حق میں دعا کرو

عیادت کرنے کا دوسرا ادب یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو پہلے مختصراً اس کا حال دریافت کرے کہ کیسی طبیعت ہے؟ جب وہ مریض اپنی تکلیف بیان کرے تو پھر اس کے حق میں دعا کرے، کیا دعا کرو؟ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھا گئے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ سے دعا دیا کرتے تھے

"لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہ"

(صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ، باب ما یقال للمریض و ما یجیب)

یعنی اس تکلیف سے آپ کا کوئی نقصان نہیں، آپ کے لئے یہ تکلیف انشاء اللہ آپ کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی اس دعا میں ایک طرف تو مریض کو تسلی دیدی کہ تکلیف تو آپ کو ضرور ہے لیکن یہ تکلیف گناہوں سے پاکی اور آخرت کے ثواب کا ذریعہ بنے گی۔ دوسری طرف یہ دعا بھی ہے کہ اے اللہ اس تکلیف کو اس کے حق میں اجر و ثواب کا سبب بنا دیجئے اور گناہوں کی مغفرت کا

ذریعہ بنا دیجئے۔

"بیماری" گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے

یہ حدیث تو آپ نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو جو کوئی تکلیف پہنچتی ہے حتی کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے عوض کوئی نہ کوئی گناہ معاف فرماتے ہیں، اور اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الحمی من فیح جهنم"

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة النار)

یعنی "یہ بخار جہنم کی گرمی کا ایک حصہ ہے" علماء کرام نے اس حدیث کی مختلف تشریحات کی ہیں بعض علماء نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس کی بعض احادیث سے تائید بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ بخار کی گرمی انسان کے لئے جہنم کی گرمی کا بدلہ ہوگئی ہے یعنی گناہوں کی وجہ سے آخرت میں جہنم کی جو گرمی برداشت کرنی پڑتی اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ گرمی دیدی تاکہ جہنم کے اندر ان گناہوں کی گرمی برداشت نہ کرنی پڑے، بلکہ اس بخار کی وجہ سے وہ گناہ دنیا ہی کے اندر دھل جائے اور معاف ہو جائے۔ اس کی تائید اس دعا سے ہوتی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے وقت کیا کرتے تھے کہ "لا باس طھور انشاء اللہ" یعنی کوئی غم نہ کرو یہ بخار تمہارے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور سبب بن جائے گا۔

حصول شفا کا ایک عمل

عیادت کرنے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر موقع مناسب ہو اور اس عمل کے ذریعہ مریض کو تکلیف نہ ہو تو یہ عمل کر لے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَأْسَ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشَافِیَ اِلَّا اَنْتَ لَا یُغَادِرُ سَقَمًا"

(ترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی التعوذ للمریض)

یعنی اے اللہ، جو تمام انسانوں کے رب ہیں، تکلیف کو دور کرنے والے ہیں، اس بیمار کو شفا عطا فرما، آپ شفا دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں۔ اور ایسی شفا عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے یہ دعا جس کو یاد نہ ہو اس کو چاہئے کہ اس کو یاد کر لیں اور پھر یہ عادت بنالیں کہ جس بیمار کے پاس جائیں موقع دیکھ کر یہ دعا ضرور پڑھ لیں۔

ہر بیماری سے شفا

ایک اور دعا بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جو اس سے بھی زیادہ آسان اور مختصر ہے اس کو یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کا فائدہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا عظیم بیان فرمایا ہے وہ دعا یہ ہے:

"اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَكَ"

(ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض عند العیادۃ)

یعنی "میں عظمت والے اللہ، اور عظیم عرش کے مالک سے

دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو شفا عطا فرماوے۔ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بندہ دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعا کرے تو اگر اس بیمار کی موت کا وقت نہیں آیا ہوگا تو پھر اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا فرمادیں گے ہاں اگر کسی کی موت ہی کا وقت آچکا ہو تو اس کو کوئی نہیں ٹلا سکتا۔

عیادت کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

اور ان دعاؤں کے پڑھنے میں تین طرح سے ثواب حاصل ہوتا ہے ایک ثواب تو اس بات کا ملیگا کہ آپ نے مریض کی عیادت کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا اور وہ الفاظ کہے جو عیادت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے، دوسرے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب حاصل ہوگا، تیسرے اس کے حق میں دعا کرنے کا ثواب حاصل ہوگا، اس لئے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا باعث اجر وثواب ہے، گویا کہ اس چھوٹے سے عمل کے اندر تین ثواب جمع ہیں، لہٰذا مریض کی عیادت تو ہم سب کرتے ہی ہیں لیکن عیادت کے وقت ذرا زاویہ نگاہ بدل لو، اور اتباع سنت کی نیت کر لو، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کر لو، اور عیادت کے جو آداب ہیں اس پر عمل کر لو یعنی مختصر وقت کے لئے عیادت کرو، اور عیادت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعائیں پڑھ لو، تو پھر انشاء اللہ عیادت کا یہ معمولی سا عمل عظیم عبادت بن جائیگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دین کس چیز کا نام ہے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے کام کی بات بیان فرماتے تھے، دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، فرماتے تھے کہ " دین صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، صرف ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائیگی، یہی سب کام جو اب تک تم انجام دے رہے تھے وہ سب عبادت بن جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام بن جائینگے بشرطیکہ دو کام کر لو، ایک نیت درست کر لو دوسرے اس کا طریقہ سنت کے مطابق انجام دیدو، بس اتنا کرنے سے وہی کام دین جائیں گے ــ اور بزرگوں کے پاس جانے سے یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ انسان کا زاویہ نگاہ بدل دیتے ہیں، سوچ کا انداز بدل دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انسان کے اعمال اور افعال کا رخ صحیح ہو جاتا ہے پہلے وہ دنیا کا کام تھا اور اب وہ دین کا کام بن جاتا ہے اورر عبادت بن جاتا ہے۔

عیادت کے وقت ہدیہ لیجانا

مریض کی عیادت کے موقع پر ایک اور رسم ہمارے یہاں جاری ہے وہ یہ کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عیادت کے لئے جائیں تو کوئی ہدیہ، تحفہ ضرور لیکر جانا چاہیے مثلاً پھل فروٹ، یا بسکٹ وغیرہ اور اس کو اتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ بعض لوگ جب تک کوئی ہدیہ لیکر جانے کی استطاعت نہیں ہوتی، عیادت کے لئے ہی نہیں جاتے اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو وہ مریض یا مریض کے گھر والے کیا سوچیں گے کہ خالی ہاتھ عیادت کے لئے آگئے ــ یہ ایسی رسم ہے جس کی وجہ سے شیطان نے ہمیں عیادت کے عظیم ثواب سے محروم کر دیا ہے حالانکہ عیادت کے وقت کوئی ہدیہ، تحفہ لیکر جانا نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب۔ پھر کیوں ہم نے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ خدا کے لئے اس رسم کو

چھوڑ دو اور اس کی وجہ سے عیادت کے فضائل اور اس پر ملنے والے اجر و ثواب سے محروم مت ہو جاؤ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر کام سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال اس حدیث میں جن سات چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے یہ پہلی چیز کا بیان تھا۔ باقی چیزوں کا بیان انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

سلام کرنے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ــــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ــــــــ ٣، ستمبر ١٩٩٣ء

مقام ــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشنِ اقبال، کراچی

جلد ــــــــ نمبر ٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام کرنے کے آداب

الحمد لله نحمده ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وآله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيرا كثيرا

اما بعد:

عن البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه قال: امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بسبع: عيادة المريض واتباع الجنائز، وتشميت العاطس، ونصر الضعيف، وعون المظلوم، وافشاء السلام، وابرار المقسم۔

(صحيح بخاري، كتاب الاستئذان، باب افشاء السلام)

سات باتوں کا حکم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا۔ نمبر ایک : مریض کی عیادت کرنا، نمبر دو : جنازوں کے پیچھے چلنا، نمبر تین : چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا، نمبر چار : کمزور آدمی کی مدد کرنا، نمبر پانچ : مظلوم کی امداد کرنا، نمبر چھ : سلام کو رواج دینا، نمبر سات : قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا۔

ان سات میں سے الحمد للہ پانچ چیزوں کا بیان ہو چکا، چھٹی چیز ہے سلام کو رواج دینا، اور آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام کرنا۔ سلام کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایسا مقرر فرمایا ہے جو ساری دوسری قوموں سے بالکل ممتاز ہے، ہر قوم کا یہ دستور ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ کوئی "ہیلو" کہتا ہے۔ کوئی "گڈ مارننگ" کہتا ہے۔ کوئی "گڈ ایوننگ" کہتا ہے۔ کوئی "نمستے" کہتا ہے۔ کوئی "نمسکار" کہتا ہے۔ گویا کہ ہر قوم والے کوئی نہ کوئی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اللہ جل جلالہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے جو لفظ تجویز فرمایا ہے وہ تمام الفاظ سے نمایاں اور ممتاز ہے، وہ ہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

سلام کرنے کا فائدہ

دیکھئے : اگر آپ نے کسی سے ملاقات کے وقت "ہیلو" کہہ دیا تو آپ کے اس لفظ سے اس کو کیا فائدہ ہوا؟ دنیا کا کوئی فائدہ ہوا؟ یا آخرت کا کوئی فائدہ ہوا؟ ظاہر ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن اگر آپ نے ملاقات کے وقت یہ الفاظ

کہے : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم پر سلامتی ہو' اوراللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں" تو ان الفاظ سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ نے ملاقات کرنے والے کو تین دعائیں دیدیں' ____ اور اگر آپ نے کسی کو "گڈمارننگ" یا "گڈایوننگ" کہا یعنی صبح بخیر' شام بخیر' تو اگر اس کو دعاء کے معنی پر بھی محمول کرلیں تو اس صورت میں آپ نے جو اس کو دعاء دی' وہ صرف صبح اور شام کی حد تک محدود ہے کہ تمہاری صبح اچھی ہو جائے' یا تمہاری شام اچھی ہو جائے ____ لیکن اسلام نے ہمیں جو کلمہ سکھایا' وہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی کسی مخلص مسلمان کا سلام اور دعاء ہمارے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو انشاء اللہ ساری گندگی ہم سے دور ہو جائے گی' اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہو جائے گی۔ یہ نعمت آپ کو دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملے گی۔

سلام اللہ کا عطیہ ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور وہ فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو۔ اور وہ فرشتے جو جواب دیں اس کو سننا' اس لئے کہ وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا' چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جاکر سلام کیا "السلام علیکم" تو فرشتوں نے جواب میں کہا : "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" چنانچہ فرشتوں نے لفظ "ورحمۃ اللہ" بڑھا کر جواب دیا ____ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح عطا فرمائی۔ اگر ذرا غور کریں تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حد وحساب ہی نہیں۔ اب اس سے زیادہ ہماری بد نصیبی کیا ہوگی کہ اس اعلیٰ ترین کلمے کو چھوڑ کر ہم اپنے بچوں کو "گڈمارننگ" اور "گڈایوننگ" سکھائیں۔ اور دوسری قوموں کی نقالی کریں۔ اس سے زیادہ ناقدری اور ناشکری اور محرومی اور کیا ہوگی۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الاستئذان' باب بدء السلام)

سلام کرنے کا اجر و ثواب

افضل طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے۔ یعنی "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" صرف "السلام علیکم" کہہ دیا تب بھی سلام ہو جائے گا۔ لیکن تین جملے بولنے میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے' ایک صحابی تشریف لائے' اور کہا : "السلام علیکم" آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور فرمایا : "دس" اس کے بعد دوسرے صحابی آئے' اور آکر سلام کیا۔ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور فرمایا "بیس" اس کے بعد تیسرے صحابی آئے' اور آکر سلام کیا' "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا' اور فرمایا' "تیس" ____ آپ کا مطلب یہ تھا کہ "السلام علیکم" کہنے میں انسان کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہنے میں بیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہنے میں تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اگرچہ سلام کی سنت صرف "السلام علیکم" کہنے سے ادا ہو جاتی ہے۔ دیکھئے : ان الفاظ میں دعاء بھی ہے' اور اجر و ثواب الگ ہے۔

(ابوداؤد' کتاب الادب' باب کیف السلام؟ حدیث نمبر ۵۱۹۵)

اور جب سلام کیا جائے تو صاف الفاظ سے سلام کرنا چاہئے' الفاظ بگاڑ کر' مسخ کرکے سلام نہیں کرنا چاہئے' بعض لوگ اس طرح سلام کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا الفاظ کہے؟ اس لئے پوری طرح واضح کرکے "السلام علیکم" کہنا چاہئے۔

سلام کے وقت یہ نیت کرلیں

ایک بات میں اور غور کیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو

کلمہ تلقین فرمایا، وہ ہے "السلام علیکم" جو جمع کا صیغہ ہے۔ "السلام علیک" نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ "السلام علیک" کے معنی ہیں : تجھ پر سلامتی ہو۔ اور السلام علیکم کے معنی ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہم لوگ اپنی گفتگو میں "تو" کے بجائے "تم" یا "آپ" کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں جس کے ذریعہ مخاطب کی تعظیم مقصود ہوتی ہے، اسی طرح "السلام علیکم" میں جمع کا لفظ مخاطب کی تعظیم کے لئے لایا گیا ہے۔

لیکن بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس لفظ سے ایک تو مخاطب کی تعظیم مقصود ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تم کسی کو سلام کرو تو سلام کرتے وقت یہ نیت کرو کہ میں تین افراد پر سلام کرتا ہوں۔ ایک اس شخص کو اور دو ان فرشتوں کو سلام کرتا ہوں جو اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ جن کو "کراماً کاتبین" کہا گیا ہے، ایک فرشتہ انسان کی نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا فرشتہ اس کی برائیاں لکھتا ہے، اس لئے سلام کرتے وقت ان کی بھی نیت کرلو، تاکہ تمہارا سلام تین افراد کو ہو جائے۔ اور اب انشاء اللہ تین افراد کو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ اور جب تم فرشتوں کو سلام کرو گے تو وہ تمہارے سلام کا ضرور جواب بھی دیں گے۔ اور اس طرح ان فرشتوں کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہیں۔

نماز میں سلام پھیرتے وقت کی نیت

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ نماز کے اندر جب آدمی سلام پھیرے تو داہنی طرف سلام پھیرتے وقت یہ نیت کرلے کہ میرے دائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں۔ ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور جب بائیں جانب سلام پھیرے تو اس وقت یہ نیت کرلے کہ میرے بائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں، ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ تم فرشتوں کو سلام

کرو' اور وہ جواب نہ دیں۔ وہ ضرور جواب دیں گے' اور اس طرح ان کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن ہم لوگ بے خیالی میں سلام پھیر دیتے ہیں اور نیت نہیں کرتے' جس کی وجہ سے اس عظیم فائدے اور ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہئے

سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجرو ثواب کا موجب ہے اور سنت ہے۔ اور سلام کا جواب دینا واجب ہے' قرآن کریم کا ارشاد ہے :

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا

فرمایا کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام سے بڑھ کر جواب دو' یا کم از کم ویسا جواب دو جیسا اس نے سلام کیا۔ مثلاً کسی نے "السلام علیکم" کہا تو تم جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہو۔ تاکہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے۔ ورنہ کم از کم "وعلیکم السلام" ہی کہہ دو تاکہ جواب برابر ہو جائے۔

مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا

اگر مجلس میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ اور ایک شخص اس مجلس میں آئے' تو وہ آنے والا شخص ایک مرتبہ سب کو سلام کرلے تو یہ کافی ہے۔ اور مجلس میں سے ایک شخص اس کے سلام کا جواب دیدے تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کو علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

اِن مواقع پر سلام کرنا جائز نہیں

سلام کرنا بہت سی جگہ پر ناجائز بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص دوسرے

لوگوں سے کوئی دین کی بات کر رہا ہو' اور دوسرے لوگ سن رہے ہوں۔ تو اس وقت آنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ سلام کئے بغیر مجلس میں بیٹھ جانا چاہئے۔ اسی طرح اگر ایک شخص تلاوت کر رہا ہے۔ اس کو سلام کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں ـــــــ خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں مشغول ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے کام میں حرج ہوگا' ایسی صورت میں سلام کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسے موقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرے کے ذریعہ سلام بھیجنا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا سلام پہنچاتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے' اور دوسرے شخص کے ذریعہ سلام بھیجنا بھی سنت ہے۔ اور یہ بھی سلام کے قائم مقام ہے' اور اس کے ذریعہ بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو دوسرے کا سلام پہنچایا جائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے "عَلَيْهِمْ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بھی سلامتی ہو' جنہوں نے سلام بھیجا ہے۔ اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس میں دو سلام اور دو دعائیں جمع ہو گئیں۔ اور دو آدمیوں کو دعاء دینے کا ثواب مل گیا۔

بعض لوگ اس موقع پر بھی صرف "وعلیکم السلام" سے جواب دیتے ہیں۔ اس سے جواب تو ادا ہو جائے گا۔ لیکن صحیح جواب نہیں ہوگا' اس لئے کہ اس صورت میں آپ نے اس شخص کو تو سلامتی کی دعاء دے دی جو سلام لانے والا ہے۔ اور وہ شخص جو اصل سلام بھیجنے والا تھا۔ اس کو دعا نہیں دی۔ اس لئے جواب دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ "علیہم وعلیکم السلام" کہہ کر جواب دیا جائے۔

تحریری سلام کا جواب واجب ہے

اگر کسی کے پاس کسی شخص کا خط آئے' اور اس خط میں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" لکھا ہو تو اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس سلام کا تحریری جواب دینا چونکہ واجب ہے' اس لئے خط کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اگر خط کے ذریعہ اس کے سلام کا جواب اور اس کے خط کا جواب نہیں دیں گے تو ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی شخص آپ کو سلام کرے' اور آپ جواب نہ دیں ____ لیکن بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس خط کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خط کا جواب دینے میں پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اور کسی انسان کے حالات بعض اوقات اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ وہ پیسے خرچ کرے' اس لئے اس خط کا جواب دینا واجب تو نہیں ہے' لیکن مستحب ضرور ہے ____ البتہ جس وقت خط کے اندر سلام کے الفاظ پڑھے' اس وقت زبان سے اس سلام کا جواب دینا واجب ہے' اور اگر خط پڑھتے وقت بھی زبان سے سلام کا جواب نہ دیا۔ اور نہ خط کا جواب دیا۔ تو اس صورت میں ترک واجب کا گناہ ہوگا ____ اس میں ہم سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے کہ خط آتے ہیں اور پڑھ کر اس کو ویسے ہی ڈال دیتے ہیں نہ زبانی جواب دیتے ہیں' نہ تحریری جواب دیتے ہیں۔ اور مفت میں ترک واجب کا گناہ اپنے نامہ اعمال میں لکھوا لیتے ہیں۔ یہ سب ناواقفیت کی وجہ سے کر لیتے ہیں۔ اس لئے جب بھی خط آئے تو فوراً زبانی سلام کا جواب دیدینا چاہئے۔

غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی غیر مسلم سے ملاقات ہو' اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لئے وہ لفظ استعمال کرلے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں ____ لیکن اگر غیر مسلم

کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہے تو ان کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہے۔ اور پورا جواب نہ دے۔ اور یہ لفظ کہتے وقت یہ نیت کرلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت کی اور مسلمان بننے کی توفیق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے' یہ قوم ہمیشہ سے شریر قوم ہے۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب سامنے آتے تو یہ لوگ خباثت سے کام لیتے ہوئے ان کو سلام کرتے ہوئے کہتے : "السام علیکم" "لام" درمیان سے نکال دیتے تھے' اب سننے والا جلدی میں یہی سمجھتا کہ اس نے " السلام علیکم " کہا ہے۔ "سام" کے معنی عربی زبان میں موت اور ہلاکت کے ہیں۔ "السام علیکم" کے معنی ہوئے کہ تمہیں موت آجائے۔ اور تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ ____ ظاہر میں تو سلام کرتے۔ اور حقیقت میں بددعاء دیتے تھے۔ کچھ روز تک یہ معاملہ چل گیا۔ لیکن چند روز کے بعد صحابہ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر درمیان سے لام حذف کر کے "السام علیکم" کہتے ہیں۔

(صحیح بخاری' کتاب الاستئذان' باب کیف الرد علی اھل الذمۃ)

ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سلام کیا : "السام علیکم" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ الفاظ سنے تو ان کو غصہ آگیا' اور جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : "علیکم السام واللعنۃ" یعنی تم پر ہلاکت ہو اور لعنت ہو ____ دو لفظ بول دیئے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ترکی بترکی جواب دیا ہے' تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا : مھلاً یا عائشۃ اے عائشہ! رک جاؤ اور نرمی سے کام لو' پھر فرمایا :

ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ

اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے گستاخ ہیں کہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے "السام علیکم" کہہ رہے ہیں۔ اور ہلاکت کی بددعاء کررہے ہیں' آپ نے فرمایا : اے عائشہ! کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں کیا کہا؟ جب انہوں نے "السام علیکم" کہا تو میں نے جواب میں کہا "وعلیکم" مطلب یہ ہے کہ جو بددعاء تم ہمارے لئے کررہے ہو' اللہ تعالیٰ وہ تمہارے حق میں قبول کرلے۔ لہٰذا غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہنا چاہئے۔ پھر آپ نے فرمایا :

یا عائشة: ما کان الرفق فی شئ الا زانه ولا نزع عن شئ الا شانه۔

اے عائشہ! نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اس کو زینت بخشے گی' اور جس چیز سے نکال دی جائے گی۔ اس کو عیب دار کردے گی۔ اس لئے معاملہ حتی الامکان نرمی سے کرنا چاہئے۔ چاہے مقابلے پر کفار ہی ہوں۔

(صحیح بخاری' کتاب الاستئذان' باب کیف یرد علی اھل الذمة السلام)

حتی الامکان نرمی کرنا چاہئے

آپ دیکھئے کہ یہودی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کی' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ جواب میں فرمائے' بظاہر وہ انصاف کے خلاف نہیں تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سکھادیا کہ میری سنت یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرو۔ اور صرف اتنی بات زبان سے ادا کرو' جتنی ضرورت ہے۔ بلاوجہ اپنی طرف سے بات آگے بڑھا کر سختی کا برتاؤ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سلام ایک دعاء ہے

بہرحال یہ "سلام" معمولی چیز نہیں، یہ زبردست دعاء ہے۔ اور اس کو دعاء کی نیت سے کہنا اور سننا چاہئے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کی بھی دعاء ہمارے حق میں قبول ہوجائے تو ہمارا بیڑہ پار ہوجائے۔ اس لئے کہ اس میں دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں اس سلام کے اندر جمع ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت ہو۔ اور اللہ کی برکت ہو۔ اس لئے یہ دعا لوگوں سے لینی چاہئے۔ اور اس شوق اور ذوق میں لینی چاہئے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی زبان میرے حق میں مبارک کردے۔

حضرت معروف کرخیؒ کی حالت

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ ہر وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے۔ کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حجام سے حجامت بنوا رہے تھے، جب مونچھ بنانے کا وقت آیا تو حجام نے دیکھا کہ زبان حرکت کر رہی ہے۔ اور ہونٹ ہل رہے ہیں۔ حجام نے کہا کہ حضرت! تھوڑی دیر کے لئے منہ بند کرلیجئے۔ تاکہ میں آپ کی مونچھیں بنالوں، حضرت نے جواب دیا کہ تم تو اپنا کام کر رہے ہو، میں اپنا کام نہ کروں؟؟ ــــــ آپ کا یہ حال تھا۔ ہر وقت زبان پر ذکر جاری تھا۔

حضرت معروف کرخیؒ کا ایک واقعہ

ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک سقہ لوگوں کو پانی پلا رہا ہے' اور یہ آواز لگا رہا ہے کہ "اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پئے" حضرت معروف کرخیؒ اس سقہ کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا کہ ایک گلاس پانی مجھے بھی پلا دو' چنانچہ اس نے دیدیا' آپ نے پانی لے کر پی لیا' ایک ساتھی جوان کے ساتھ تھے' انہوں نے کہا کہ حضرت آپ تو روزے سے تھے!!! اور آپ نے پانی پی کر روزہ توڑ دیا!! آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا بندہ دعا کر رہا تھا کہ اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پی لے' مجھے خیال آیا کہ کیا معلوم اللہ تعالیٰ اس کی دعاء میرے حق میں قبول فرما لے' نفل روزہ جو توڑ دیا' اس کی قضا تو بعد میں کرلوں گا' لیکن بعد میں اس بندے کی دعاء مجھے مل سکے گی یا نہیں! اس لئے میں نے اس بندے کی دعا لینے کے لئے پانی پی لیا۔

اب آپ اندازہ لگایئے کہ اتنے بڑے اللہ کے ولی' اتنے بڑے بزرگ' اتنے بڑے صوفی۔ لیکن ایک معمولی سے سقے کی دعاء لینے کے لئے روزہ توڑ دیا۔ کیوں روزہ توڑ دیا؟ اس لئے کہ یہ حضرات اللہ کے بندوں کی دعائیں لینے کے حریص ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں کس کی دعاء کس وقت ہمارے حق میں قبول ہو جائے۔

"شکریہ" کے بجائے "جزاکم اللہ" کہنا چاہئے

اسی وجہ سے ہمارے دین میں ہر ہر موقع کے لئے دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ مثلاً چھینکنے والے کے جواب میں کہو : "یرحمک اللہ" اللہ تم پر رحم کرے۔ ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہو' تم پر سلامتی ہو' کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو کہو "جزاکم اللہ" اللہ تعالیٰ تمہیں بدلہ دے ______ آجکل یہ رواج ہوگیا ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو اس کے جواب میں کہتا ہے

کہ "آپ کا بہت بہت شکریہ" یہ لفظ کہنا یا شکریہ ادا کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اچھی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔ لیکن شکریہ ادا کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کا شکر ادا کر رہے ہو، اس کو کچھ دعاء دیدو۔ تاکہ اس دعا کے نتیجے میں اس کا فائدہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر آپ نے کہا کہ "بہت بہت شکریہ" تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کو کیا ملا؟ کیا دنیا یا آخرت کی کوئی نعمت مل گئی؟ یا اس کا کوئی فائدہ پہنچا؟ کچھ نہیں ملا۔ لیکن جب تم نے "جزاکم اللہ" کہا تو اس کو ایک دعا مل گئی۔ بہرحال، اسلام میں یہ طریقہ سکھایا گیا کہ قدم قدم پر دوسروں کو دعائیں دو، اور دعائیں لو۔ اس لئے ان کو اپنے معمولات میں اور شب و روز کی گفتگو میں شامل کرلینا چاہئے۔ خود بھی ان کی عادت ڈالیں۔ اور بچوں کو بھی بچپن ہی سے ان کلمات کو ادا کرنا سکھائیں۔

سلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہئے

ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ سلام کا جواب بلند آواز سے دینا ضروری ہے یا آہستہ آواز سے بھی جواب دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو سلام کا جواب دینا واجب ہے، البتہ اتنی آواز سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا وہ جواب سن لے، یہ مستحب اور سنت ہے، لیکن اگر اتنی آہستہ آواز سے جواب دیا کہ مخاطب نے وہ جواب نہیں سنا تو واجب تو ادا ہو جائے گا، لیکن مستحب ادا نہیں ہوگا۔ لہٰذا بلند آواز سے جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مصافحہ کرنے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب ــــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ــــــــ ۱۲؍اگست ۱۹۹۴ء

مقام ــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ــــــــ نمبر ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مصافحہ کے آداب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا - اما بعد!

عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا استقبله الرجل فصافحه، لا ينزع يده عن يده، حتى يكون الرجل هو الذي ينزع - ولا يصرف وجهه، حتى يكون الرجل هو الذي يصرفه، ولم ير مقدمًا ركبتيه بين يدي جليس له -

(ترمذی، کتاب القیامة، باب نمبر ۳۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص ــ حضرت انسؓ

یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، یہ وہ صحابی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے، یہ دن رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے، ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ان کو

بچپن ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھوڑ کر گئی تھیں۔
چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوئے ہی انہوں نے ہوش سنبھالا، وہ خود قسم کھاکر فرماتے ہیں کہ میں نے پورے دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، لیکن اس پورے دس سال کے عرصے میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا، نہ کبھی مارا، اور نہ کبھی مجھ پر غصہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کئے ہوئے کام کے بارے میں یہ پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور نہ کبھی نہ کئے ہوئے کام کے بارے میں یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ اس شفقت کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی۔

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر ۲۰۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کیلئے بھیجا، میں گھر سے کام کرنے کیلئے نکلا، راستے میں دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں (یہ خود بھی بچے ہی تھے) ـــ میں ان بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا، اور یہ بھول گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مجھے کسی کام کیلئے بھیجا تھا، جب کافی دیر گزر گئی تو مجھے یاد آیا۔ اب مجھے فکر ہوئی کہ میں نے وہ کام تو کیا نہیں، اور کھیل میں لگ گیا، چنانچہ میں گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کام خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انجام دیدیا ہے، مگر آپ نے مجھ سے یہ پوچھا تک نہیں کہ میں نے تم کو فلاں کام کیلئے بھیجا تھا۔ تم نے کیوں نہیں کیا؟

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس خلقاء حدیث نمبر ۲۳۰۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاؤں کا حصول

خدمت کے دوران حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں بھی لیں، اسلئے کہ جب بھی کوئی خدمت انجام دیتے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعائیں دیتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کی عمر اور ان کی اولاد میں برکت عطا فرما، یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ تقریباً تمام صحابہ میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی، اور آپ ہی نے بیشمار انسانوں کو تابعی ہونے کا شرف بخشا، آپ کو دیکھ کر، آپ کی زیارت کر کے بہت سے لوگ تابعی بن گئے، اگر آپ نہ ہوتے تو ان کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہ ہوتا ــــ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یقینی طور پر زیارت کی ہے، امام اعمش رحمہ اللہ علیہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ تابعی بن گئے، اتنی لمبی عمر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ــــ اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ اتنی اولاد ہوئی کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ آج میری اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد سو سے زائد ہو چکی ہے۔ (صحیح مسلم، فضائل صحابہ، باب فضائل انس رضی اللہ عنہ)

حدیث کا ترجمہ

بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آپ کے پاس آکر آپ سے مصافحہ کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور آپ اپنا چہرہ اور اپنا رخ اس ملاقات کرنے والے کی طرف سے نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے ــــ اور نہ کبھی یہ

دیکھا گیا کہ جب آپ مجلس میں لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوں، تو آپ نے اپنا گھٹنا ان میں سے کسی شخص سے آگے کیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تواضع

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کئے ہیں، پہلا وصف یہ بیان کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں اس قدر تواضع تھی کہ اتنے بلند مقام پر ہونے کے باوجود جب کوئی اللہ کا بندہ آپ سے ملاقات کرتا، تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور دوسرا وصف یہ بیان کیا کہ آپ اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے، جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے، اور تیسرا وصف یہ بیان کیا کہ اپنا گھٹنا کسی سے آگے نہیں کرتے تھے ــــــ بعض دوسری رواتیوں میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اسکی بات نہیں کاٹتے تھے، اور اس وقت تک اسکی طرف متوجہ رہتے تھے، جب تک وہ خود ہی اٹھ کر نہ چلا جائے ــــ اور اگر کوئی بڑھیا بھی کسی معمولی سے کام کیلئے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتی تو آپ اسکے ساتھ اسکا کام کرنے کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصافحہ کا انداز

حقیقت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی سنتیں ہیں وہ سب ہمارے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ لیکن بعض سنتوں پر عمل کرنا آسان ہے، اور بعض سنتوں پر عمل کرنا مشکل ہے، اس حدیث میں جو سنت بیان کی گئی ہے کہ آدمی مصافحہ کرنے کے بعد اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچے جب تک دوسرا اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور جب دوسرا

بات شروع کرے تو اسکی بات نہ کاٹے، جب تک وہ خود ہی بات ختم نہ کرے، ایک مشغول انسان کیلئے ساری زندگی اس پر عمل کرنا بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ دوسرے شخص کا زیادہ وقت نہ لیا جائے، لیکن بعض لیچڑ قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جب باتیں کرنے بیٹھیں کے تو اب ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیں گے، اس قسم کے لوگوں سے ملاقات کے وقت ان کی بات سنتے رہنا، اور ان کی بات نہ کاٹنا جب تک وہ خود اپنی بات ختم نہ کرے، یہ بڑا مشکل کام ہے، خاص طور پر اس ذات کے لئے جس پر دونوں جہاں کی ذمہ داریاں ہیں، جہاد جاری ہے، تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے، مدینہ کی ریاست کا انتظام جس کے سر پر ہے، حقیقت میں تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہی تھا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس عظیم منصب کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا، آپ کی تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ اللہ کے ہر بندے کے ساتھ تواضع اور عاجزی کے ساتھ پیش آتے تھے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے

اس حدیث کے پہلے جملے سے دو مسئلے معلوم ہوئے: پہلا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، احادیث میں اگرچہ مصافحہ کے بارے میں زیادہ تفصیل تو نہیں آئی، لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ مصافحہ کا وہ طریقہ جو سنت سے زیادہ قریب ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے مصافحہ کے بیان پر جو باب قائم کیا ہے اس میں حضرت حماد بن زید ؒ کا حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا بیان کیا ہے (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب الاخذ بالید) اور غالباً حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی مصافحہ کرے تو دونوں ہاتھوں سے کرے۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف سنت ہے

آج کے دور میں ایک طرف تو انگریزوں کی طرف سے فیشن چلا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا چاہئے، دوسری طرف بعض حلقوں کی طرف سے، خاص طور پر سعودی عرب کے حضرات اس بارے میں تشدد اختیار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مصافحہ تو ایک ہی ہاتھ سے کرنا سنت ہے۔ دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت نہیں ــ خوب سمجھ لیجئے، یہ خیال غلط ہے۔ اسلئے کہ حدیث میں مفرد کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اور تثنیہ کا لفظ بھی آیا ہے، اور بزرگوں نے اس کا جو مطلب سمجھا وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے، چنانچہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، جبکہ روایتوں میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ذکر موجود ہے ـــ چنانچہ بزرگان دین میں بھی یہی طریقہ متعارف رہا ہے، اسی طریقے کو علماء امت نے سنت کے قریب سمجھا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "التحیات" اس طرح یاد کرائی کہ "کفی بین کفیہ" یعنی میرے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتیلیوں کے درمیان تھے ــ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی مصافحہ کرنے کا طریقہ یہی تھا اسلئے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت سے زیادہ قریب ہے۔

اب اگر کوئی شخص ایک ہاتھ سے مصافحہ کر لے تو اسکو میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے ناجائز کام کیا، یا اس سے مصافحہ کی سنت ادا نہیں ہوگی، لیکن وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو سنت سے زیادہ قریب ہو۔ اور جس طریقے کو علماء، فقہاء اور بزرگان دین نے سنت سے قریب سمجھ کر اختیار کیا ہو۔ اسکو ہی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

موقع دیکھ کر مصافحہ کیا جائے

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا اگرچہ سنت ضرور ہے، لیکن ہر سنت کا کوئی محل اور موقع بھی ہوتا ہے، اگر وہ سنت اسکے موقع پر انجام دی جائے تو سنت ہوگی، اور اس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ ثواب حاصل ہوگا، لیکن اگر اس سنت کو بے موقع اور بے محل استعمال کر لیا تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مصافحہ کرنے سے سامنے والے شخص کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا درست نہیں، اور اگر زیادہ تکلیف ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔ ایسے وقت میں صرف زبان سے سلام کرنے پر اکتفا کرے، اور "السلام علیکم" کہہ دے، اور سامنے والا جواب دیدے۔

یہ مصافحہ کا موقع نہیں

مثلاً ایک شخص کے دونوں ہاتھ مصروف ہیں، دونوں ہاتھوں میں سامان ہے، اور آپ نے ملاقات کے وقت مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیئے، ایسے وقت وہ بیچارہ پریشان ہوگا۔ اب آپ سے مصافحہ کرنے کی خاطر اپنا سامان پہلے زمین پر رکھے، اور پھر آپ سے مصافحہ کرے، لہذا ایسی حالت میں مصافحہ کرنا سنت نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے، بلکہ اگر مصافحہ کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچے گی تو گناہ کا بھی اندیشہ ہے ــ آجکل لوگ اس معاملے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں۔

مصافحہ کا مقصد "اظہار محبت"

دیکھئے کہ یہ "مصافحہ" محبت کا اظہار ہے۔ اور محبت کے اظہار کیلئے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس سے محبوب کو راحت ملے، نہ یہ کہ اس کے ذریعہ اسکو تکلیف پہنچائی جائے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بزرگ اللہ والے

کسی جگہ پہنچے تو آپ لوگوں نے یہ سوچا کہ چونکہ یہ بزرگ ہیں، ان سے مصافحہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ مصافحہ کرنے کیلئے پورا مجمع ان بیچارے ضعیف اور چھوٹی موٹی بزرگ پر ٹوٹ پڑا، اب اندیشہ اس کا ہے کہ وہ بزرگ گر پڑیں گے، ان کو تکلیف ہوگی۔ لیکن مصافحہ نہیں چھوڑیں گے، ذھن میں یہ ہے کہ مصافحہ کر کے برکت حاصل کرنی ہے۔ اور جب تک یہ برکت حاصل نہیں ہوگی، ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔

اس وقت مصافحہ کرنا گناہ ہے

خاص طور پر یہ بنگال اور برما کا جو علاقہ ہے، اس میں یہ رواج ہے کہ اگر کسی بزرگ کا وعظ اور بیان سنیں گے تو وعظ کے بعد ان بزرگ سے مصافحہ کرنا لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ وعظ کے بعد ان بزرگ پر ٹوٹ پڑیں گے، اس کا خیال نہیں ہوگا کہ جن سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ وہ کہیں دب نہ جائیں۔ ان کو تکلیف نہ پہنچ جائے، لیکن مصافحہ کرنا ضروری ہے۔

پہلی مرتبہ جب اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بنگال جانا ہوا تو پہلی بار یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ جلسہ میں ہزارہا افراد کا مجمع تھا۔ حضرت والد صاحب نے بیان فرمایا، لیکن جب جلسے سے فارغ ہوئے تو سارا مجمع مصافحہ کیلئے والد صاحب پر ٹوٹ پڑا، اور والد صاحب کو وہاں سے بچا کر نکالنا مشکل ہو گیا۔

یہ تو دشمنی ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا ایک وعظ ہے، جو آپ نے رنگون (برما) کی سورتی مسجد میں کیا تھا، اس وعظ میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ سے فارغ ہوئے تو مصافحہ کرنے کیلئے مجمع کا اتنا زور پڑا کہ حضرت والا گرتے

کرتے بچے ـــــ یہ حقیقی محبت نہیں ہے، یہ محض صورت محبت ہے، اسلئے کہ محبت کو بھی عقل چاہئے کہ جس سے محبت کی جارہی ہے، اسکے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے، اور اسکو دکھ اور تکلیف سے بچایا جائے، یہ ہے حقیقی محبت۔

عقیدت کی انتہا کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی علاقے میں چلے گئے، وہاں کے لوگوں کو ان بزرگ سے اتنی عقیدت ہوئی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان بزرگ کو اب باہر نہیں جانے دیں گے، ان کو یہیں رکھیں گے، تاکہ ان کی برکت حاصل ہو۔ اور اسکی صورت یہ سمجھ میں آئی کہ ان بزرگ کو قتل کر کے یہاں دفن کر دیا جائے تاکہ ان کی یہ برکت اس علاقے سے باہر نہ نکل جائے۔

جوش محبت میں بے عقلی کا جو انداز ہے۔ اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں محبت وہ ہے جس سے محبوب کو راحت اور آرام ملے۔ اسی طرح مصافحہ کے وقت یہ دیکھ کر مصافحہ کرنا چاہیئے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اگر دونوں ہاتھ مشغول ہوں تو ایسی صورت میں راحت اور آرام کی نیت سے مصافحہ نہ کرنے میں زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔ انشاء اللہ۔

مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے ہاتھوں کے گناہ جھاڑ دیتے ہیں ـــــ لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر

لینی چاہئے کہ اس مصافحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کی بھی مغفرت فرمائیں گے، اور ان کے بھی گناہوں کی مغفرت فرمائیں گے ـــــ اور ساتھ میں یہ نیت بھی کر لے کہ یہ اللہ کا نیک بندہ جو مجھ سے مصافحہ کرنے کیلئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے ہاتھ کی برکت میری طرف منتقل فرما دیں گے ـــــ خاص طور پر ہم جیسے لوگوں کے ساتھ ایسے مواقع بہت پیش آتے ہیں کہ جب کسی جگہ پر وعظ یا بیان کیا تو وعظ کے بعد لوگ مصافحہ کیلئے آ گئے۔

ایسے موقع کیلئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی۔ جب بہت سارے لوگ مجھ سے مصافحہ کرنے کیلئے آتے ہیں تو میں بہت خوش ہوتا ہوں اسلئے خوش ہوتا ہوں کہ یہ سب اللہ کے نیک بندے ہیں کچھ پتہ نہیں کہ کونسا بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول بندہ ہے جب اس مقبول بندے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھو جائیگا تو شاید اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی نوازش فرما دیں ـــــ یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہیں۔ اسلئے جب بہت سے لوگ کسی سے مصافحہ کیلئے آئیں تو اس وقت آدمی کا دماغ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور یہ خیال ہوتا ہے کہ جب اتنی ساری مخلوق مجھ سے مصافحہ کر رہی ہے، اور میری معتقد ہو رہی ہے، واقعۃً اب میں بھی بزرگ بن گیا ہوں۔ لیکن جب مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لی کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے نواز دیں۔ میری بخشش فرما دیں۔ تو اب سارا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا، اور اب مصافحہ کرنے کے نتیجے میں تکبر اور اپنی بڑائی پیدا ہونے کے بجائے تواضع اور عاجزی، اور شکستگی، انکساری پیدا ہوگی۔ لہٰذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لیا کرو۔

مصافحہ کرنے کا ایک ادب

حدیث کے اگلے جملے میں یہ بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے مصافحہ کے وقت اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک

سامنے والا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے ـــــ اس سے مصافحہ کرنے کا ایک اور ادب معلوم ہوا کہ آدمی مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ خود سے نہ کھینچے یعنی سامنے والے کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ تم اس کی ملاقات سے اکتا رہے ہو، یا تم اسکو حقیر اور ذلیل سمجھ رہے ہو، بلکہ شگفتگی کے ساتھ مصافحہ کرے۔ جلدی بازی نہ کرے ـــــ البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو چمٹ ہی جائے، اور آپ کا ہاتھ چھوڑے ہی نہیں۔ اس وقت بہر حال اسکی گنجائش ہے کہ آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔

ملاقات کا ایک ادب

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ آپ ملاقات کے وقت اپنا چہرہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے، جب تک کہ سامنے والا اپنا چہرہ نہ پھیر لے ـــــ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس سنت پر عمل کرنے میں بڑا مجاہدہ ہے، لیکن انسان کی اپنی طرف سے یہی کوشش ہونی چاہئے کہ جب تک ملاقات کرنے والا خود ملاقات کر کے رخصت نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرے۔ البتہ اگر کہیں مجبوری ہو جائے تو بات دوسری ہے۔

عیادت کرنے کا عجیب واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب آپ مرض الوفات میں تھے، لوگ آپ کی عیادت کرنے کیلئے آنے لگے ـــــ عیادت کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ:

من عاد منکم فلیخفف

یعنی جو شخص تم میں سے کسی بیمار کی عیادت کرنے جائے اسکو چاہئے کہ وہ ہلکی پھلکی

عیادت کرے، بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، کیونکہ بعض اوقات مریض کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کی موجودگی میں وہ اپنا کام بے تکلفی سے انجام نہیں دے سکتا، اسلئے مختصر عیادت کر کے چلے آؤ اسکو راحت پہنچاؤ۔ تکلیف مت پہنچاؤ ــــــ بہر حال، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے، ایک صاحب عیادت کیلئے آکر بیٹھ گئے، اور ایسے جم کر بیٹھ گئے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے، اور بہت سے لوگ عیادت کیلئے آتے رہے، اور مختصر ملاقات کر کے جاتے رہے۔ مگر وہ صاحب بیٹھے رہے، نہ اٹھے، اب حضرت عبداللہ بن مبارک اس انتظار میں تھے کہ یہ صاحب چلے جائیں تو میں خلوت میں بے تکلفی سے اپنی ضروریات کے کچھ کام کر لوں۔ مگر خود سے اسکو چلے جانے کیلئے کہنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب کافی دیر گزر گئی۔ اور وہ اللہ کا بندہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ نے ان صاحب سے فرمایا کہ: یہ بیماری کی تکلیف تو اپنی جگہ پر ہے ہی، لیکن عیادت کرنے والوں نے علیحدہ پریشان کر رکھا ہے کہ عیادت کیلئے آتے ہیں، اور پریشان کرتے ہیں ــــ آپ کا مقصد یہ تھا کہ شاید یہ میری بات سمجھ کر چلا جائے، مگر وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا، اور حضرت عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ حضرت! اگر آپ اجازت دیں تو کمرے کا دروازہ بند کر دوں؟ تاکہ کوئی دوسرا شخص عیادت کیلئے نہ آئے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا: ہاں بھائی بند کر دو، مگر اندر سے بند کرنے کے بجائے باہر سے جاکر بند کر دو ــــ بہر حال، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ ایسا معاملہ بھی کرنا پڑتا ہے، اسکے بغیر کام نہیں چلتا۔ لیکن عام حالت میں حتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس نہ کرے کہ مجھ سے اعراض برتا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

چھ زرّیں نصیحتیں

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــــــ محمد عبد اللہ میمن

تاریخ ـــــــــ ١٠ ستمبر ١٩٩٣ء

مقام ـــــــــ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی

جلد ـــــــــ نمبر ٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور ﷺ کی بے مثال نصیحتیں

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

امابعد!

عن ابی جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ قال: رایت رجلا یصدر الناس عن رایه، لایقول شیئا الا صدروا عنه قلت: من هذا؟ قالوا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قلت: علیک السلام یارسول اللہ مرتین۔ قال: لا تقل "علیک السلام" فان علیک السلام تحیۃ المیت، قل: السلام علیک قال، قلت: انت رسول اللہ؟ قال: انا رسول اللہ الذی اذا اصابک ضر فدعوته کشفه عنک، واذا اصابک عام سنة فدعوته انبتها لک، واذا کنت بارض قفر او فلاة فضلت

راحلتك فدعوته ردها عليك۔ قال قلت: اعهد اليّ. قال: لا تسبن احدا، قال فما سببت بعده حرًّا ولا عبدًا، ولا بعيرًا ولا شاة، ولا تحقرن شيئا من المعروف. وان تكلم اخاك وانت منبسط اليه وجهك ان ذلك من المعروف، وارفع ازارك الى نصف الساق، فان ابيت فالى الكعبين، واياك و اسبال الازار، فانها من المخيلة، وان الله لا يحب المخيلة وان امرأ شتمك او عيرك بما يعلم فيك فلا تعيره بما تعلم فيه، فانما وبال ذلك عليه۔

(ابوداود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، حدیث نمبر ۴۰۸۴)

یہ ایک طویل حدیث ہے، اور یہ پوری حدیث میں نے آپ کے سامنے اس لئے پڑھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے معنی میں تو نور ہے ہی، حدیث کے الفاظ میں بھی نور ہے۔ اس لئے احادیث کا پڑھنا اور سننا بھی باعث خیروبرکت ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات کا واقعہ بیان کر رہے ہیں جب کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے بھی نہیں تھے، فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ہر معاملے میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں انہی سے مشورہ لیتے ہیں۔ اور وہ صاحب جو بات فرما دیتے ہیں، لوگوں کو ان کی بات پر اطمینان ہو جاتا ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون

صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تو میں نے آپ کے قریب جاکر ان الفاظ سے سلام کیا "علیک السلام یا رسول اللہ" یہ الفاظ میں نے دو مرتبہ کہے، تو آپ نے فرمایا کہ "علیک السلام" نہ کہو، بلکہ "السلام علیک" کہو۔ اس لئے کہ "علیک السلام" مُردوں کا سلام ہے۔ یعنی جب مُردوں کو سلامتی بھیجی جائے تو اس میں لفظ "سلام" بعد میں ہوتا ہے اور "علیک" پہلے ہوتا ہے"۔

سلام کا جواب دینے کا طریقہ

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سلام کی ابتداء کرنی ہو تو "السلام علیکم" کہنا چاہئے۔ لیکن جب سلام کا جواب دینا ہو تو اس کا طریقہ حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" کہا جائے۔ گویا کہ جواب میں "علیکم" کا لفظ پہلے لایا جائے گا۔ اگر کوئی شخص "السلام علیکم" کے جواب میں "السلام علیکم" کہدے تو واجب تو ادا ہو جائے گا لیکن سنّت یہ ہے کہ جواب میں "وعلیکم السلام" کہے۔ آج کل یہ رسم پڑگئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں بھی "السلام علیکم" کہدیا جاتا ہے۔ یہ سنّت کے خلاف ہے۔

دونوں پر جواب دینا واجب ہے

اگر دو آدمی ایک دوسرے سے ملیں، اور ہر ایک دوسرے کو ابتداءً سلام کرنا چاہے، جس کے نتیجے میں دونوں ایک ساتھ ایک ہی وقت میں "السلام علیکم" کہیں تو اس صورت میں دونوں پر ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا واجب ہو جائے گا۔

لہٰذا دونوں "وعلیکم السلام" بھی کہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سلام کرنے کا آغاز کیا ہے۔ اس لئے ہر شخص پر جواب دینا واجب ہو گیا۔

شریعت میں الفاظ بھی مقصود ہیں

اس حدیث سے ایک اور بنیادی بات معلوم ہوئی، جس سے آج کل لوگ بڑی غفلت برتتے ہیں۔ وہ یہ کہ احادیث کے معنی، مفہوم اور روح تو مقصود ہے ہی۔ لیکن شریعت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے الفاظ بھی مقصود ہیں۔ دیکھئے "السلام علیکم" اور "علیکم السلام" دونوں کے معنی تو ایک ہی ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلی ملاقات ہی میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ سلام کرنے کا سنت طریقہ اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ "السلام علیکم" کہو۔ ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ اس کے ذریعہ آپ نے امت کو یہ سبق دیدیا کہ "شریعت" اپنی مرضی سے راستہ بنا کر چلنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ "شریعت" اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نام ہے۔

آج کل لوگوں کی زبانوں پر اکثر یہ رہتا ہے کہ شریعت کی روح دیکھنی چاہئے۔ ظاہر اور الفاظ کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئے۔ معلوم نہیں کہ وہ لوگ روح کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ ان کے پاس کونسی ایسی خوردبین ہے جس میں ان کو روح نظر آجاتی ہے۔ حالانکہ شریعت میں روح کے ساتھ ظاہر بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ سلام ہی کو لے لیں کہ آپ ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کے بجائے اردو میں یہ کہدیں "سلامتی ہو تم پر" دیکھئے: معنی اور مفہوم تو اس کے وہی ہیں جو "السلام علیکم" کے ہیں۔ لیکن وہ برکت، وہ نور اور اتباعِ سنت کا اجر وثواب اس میں حاصل نہیں ہو گا جو "السلام علیکم" میں حاصل ہوتا ہے۔

سلام کرنا مسلمانوں کا شعار ہے

یہ سلام مسلمانوں کا شعار ہے۔ اس کے ذریعہ انسان پہچانا جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے، ایک مرتبہ میرا چین جانا ہوا اور چین میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ لیکن ان کی زبان ایسی ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ہماری زبان ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان سے بات چیت کرنے اور اور جذبات کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ لیکن ایک چیز ہمارے درمیان مشترک تھی، وہ یہ کہ جب کسی مسلمان سے ملاقات ہوتی تو وہ کہتا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اور اس کے ذریعہ وہ جذبات کا اظہار کرتا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی برکت تھی۔ اس سنت نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھا ہوا ہے، اور رابطہ کا ذریعہ ہے۔ اور ان الفاظ میں جو نور اور برکت ہے وہ کسی اور لفظ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ آجکل فیشن کی اتباع میں سلام کے بجائے کوئی "آداب عرض" کہتا ہے۔ کوئی "تسلیمات" کہتا ہے۔ کسی نے "سلام مسنون" کہدیا۔ یاد رکھئے: ان الفاظ سے سنت کا ثواب اور سنت کا نور حاصل نہیں ہو سکتا ـــــــ اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذرا سا لفظ بدلنے کو بھی گوارہ نہیں فرمایا۔

ایک صحابیؓ کا واقعہ

ایک صحابی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعاء سکھائی، اور فرمایا کہ جب رات کو سونے کا ارادہ کرو تو سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرو، اس دعاء کے اندر یہ الفاظ بھی تھے:

آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔

"یعنی میں اس کتاب پر ایمان لایا جو آپ نے نازل فرمائی' اور
اس نبی پر ایمان لایا جن کو آپ نے بھیجا"۔

چند روز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی سے فرمایا کہ جو دعاء میں نے تم کو سکھائی تھی وہ دعاء مجھے سناؤ' کیا پڑھتے ہو؟ ان صحابی نے دعا سناتے وقت ایک لفظ تھوڑا سا بدل دیا۔ اور دعاء اس طرح سنائی کہ :

آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِرَسُوْلِكَ الَّذِیْ
اَرْسَلْتَ۔

اس دعا میں لفظ "نبی" کی جگہ "رسول" کا لفظ پڑھ لیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی لفظ کہو جو میں نے سکھایا تھا۔ حالانکہ نبی اور رسول کے لفظ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے' اصطلاحی فرق کے اعتبار سے بھی رسول کا درجہ نبی کے مقابلے میں بلند ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو الفاظ میں نے سکھائے ہیں وہی الفاظ کہو۔

اتباعِ سنّت پر اجر و ثواب

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب قدس اللہ سرہ "اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے" آمین۔ فرماتے تھے کہ :

"اگر ایک کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی کے مطابق کرلو۔ اور وہی کام تم اتباعِ سنّت کی نیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیدو' دونوں میں زمین و آسمان کا فرق محسوس کرو گے۔ جو کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے کرو گے' وہ تمہارا اپنا کام ہوگا اس پر کوئی اجر و ثواب

نہیں۔ اور جو کام تم اتباعِ سنت کی نیت سے کرو گے تو اس میں سنت کی اتباع کا اجر و ثواب اور سنت کی برکت اور نور شامل ہو جاتا ہے"۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تہجد کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت گشت کر کے صحابہ کرام کے حالات کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دیکھا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ آواز سے تلاوت قرآن کریم فرما رہے ہیں۔ اور اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ بہت بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں۔ صبح کو آپ نے دونوں حضرات کو بلایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رات کو تہجد میں آپ بہت پست آواز میں کیوں تلاوت کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ" جس ذات سے مناجات کر رہا تھا، اس ذات کو میں نے سنا دیا، اس ذات کے لئے بلند آواز کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو ہلکی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اس لئے میں آہستہ آواز میں تلاوت کر رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: "أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ" یعنی میں سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، اس لئے زور سے پڑھ رہا تھا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ارفع قلیلا" تم اپنی آواز کو ذرا بلند کرو۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "اخفض قلیلا" تم اپنی آواز تھوڑی پست

کرو۔

ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کرو

اس حدیث کے تحت شراح حدیث نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان دونوں حضرات کو قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرانا تھا :

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا۔

"یعنی نماز میں نہ تو آواز بہت زیادہ بلند کیجئے۔ اور نہ بہت زیادہ پست کیجئے اور دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجئے"۔

لیکن ہمارے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :

"یہ حکمت تو اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن اس میں ایک بہت بڑی حکمت یہ تھی کہ ان حضرات کو یہ تعلیم دینی تھی کہ اے صدیق اکبر' اور اے فاروق اعظم! اب تک تم دونوں اپنی رائے سے اپنی مرضی سے ایک طریقہ متعین کرکے پڑھ رہے تھے۔ اور آئندہ جو تلاوت کروگے وہ میرے بتائے ہوئے طریقے کی اتباع میں میرے کہنے کے مطابق کروگے' اور اب جو راستہ تم اختیار کروگے وہ اتباعِ سنت کا راستہ ہوگا۔ اور پھر اس کی وجہ سے تمہیں اتباعِ سنت کا نور اور اس کی برکات حاصل ہونگی' اور اس پر اجر وثواب بھی ملے گا"۔

لہٰذا اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر کام کرتے وقت صرف یہ نیت نہ ہو کہ بس یہ کام کسی طرح بھی پورا ہوجائے۔ بلکہ اس کے اندر طریقہ بھی وہ اختیار

کیا جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے۔ اور الفاظ بھی حتی الامکان وہی اختیار کئے جائیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں' اس لئے کہ ان الفاظ میں بھی نور اور برکت ہے۔

میں سچے خدا کا رسول ہوں

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سلام کرنے کا طریقہ سکھلا دیا تو میں نے سوال کیا کہ کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے یا کوئی مصیبت پہنچے اور اس مصیبت کے دور کرنے کے لئے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت اور تکلیف کو دور کر دیتے ہیں۔ میں اس اللہ کا رسول ہوں"۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کو خدا بنایا ہوا تھا' لیکن ان میں ایک صفت یہ تھی کہ جب کبھی مصیبت میں پھنس جاتے تو اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے :

وَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

"جس کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ لوگ کشتی میں سفر کرتے ہیں' اور سمندر میں طوفان آجاتا ہے' اور بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا تو اس وقت ان کو لات' عزیٰ' منات وغیرہ کوئی بت یاد نہیں آتا' اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدیجئے"۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ان جھوٹے خداوں کا رسول نہیں ہوں۔ بلکہ سچے خدا کا رسول ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ:

"میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تمہیں قحط پڑجائے، اور اس قحط کے دور کرنے کے لئے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس قحط کو دور فرمادیتے ہیں۔ اور میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تم کسی چٹیل صحراء میں سفر کررہے ہو، اور وہاں تمہاری اونٹنی گم ہوجائے، اور تم اللہ تعالیٰ کو پکارو کہ یا اللہ! میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، وہ مجھے واپس مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس اونٹنی کو تمہارے پاس لوٹادیتے ہیں"۔

بڑوں سے نصیحت طلب کرنی چاہئے

پھر حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی نصیحت فرمائیے! اسی سے بزرگوں نے یہ اصول بتایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی بڑے کے پاس جائے، اور خاص طور پر ایسے بڑے کے پاس جو دین میں بھی کوئی مقام رکھتا ہو، تو اس سے کوئی نصیحت طلب کرے، اس لئے کہ بعض اوقات نصیحت کا کلمہ اس انداز سے ادا ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل پر اثر کرجاتا ہے، اور اس سے انسان کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے، اور کایا پلٹ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی سچے دل سے طلبِ صادق کے ساتھ کسی بڑے سے نصیحت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بڑے کے دل پر ایسی ہی نصیحت وارد فرماتے ہیں جو اس وقت اس شخص کے لئے مناسب ہوتی ہے۔ ——— یاد رکھو، کسی بزرگ کے پاس اس کی ذات میں کچھ نہیں رکھا، دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ لیکن اگر کوئی

طلبِ صادق لے کر کسی کے پاس جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مطلوب کی زبان پر بھی وہ بات جاری فرمادیتے ہیں جو اس کے حق میں فائدہ مند ہوتی ہے' اور اس کی زندگی بدل جاتی ہے' اس لئے فرمایا کہ جب کسی کے پاس جاؤ تو اس سے نصیحت طلب کیا کرو۔

پہلی نصیحت

بہرحال' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا :

ولا تسبن احدا

"کسی کو گالی نہ دینا۔ کسی کی بدگوئی نہ کرنا"۔

گویا کہ ہر وہ کلمہ جو گالی یا بدگوئی کی تعریف میں آتا ہو۔ ایسا کلمہ کسی کے لئے استعمال نہ کرنا ______ دیکھئے : حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات ہے' اس میں پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ دوسروں کو بُرا نہ کہو۔ اس سے اندازہ لگایئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دوسرے شخص کی دل آزاری سے بچنے کی کتنی اہمیت ہے۔ اور یہ کہ ایک مسلمان کی زبان سے کوئی ثقیل اور بُرا کلمہ کسی کے لئے نہ نکلے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ اپنے غلام پر غصہ آگیا' اور غصے میں اس غلام کے لئے کوئی لعنت کا کلمہ زبان سے نکال دیا' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کلمہ سنا تو فرمایا کہ :

لعانین والصدیقین کلا ورب الکعبۃ

"یعنی آدمی لعنت بھی کرے، اور صدیق بھی ہو۔ رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جو صدیق ہوتا ہے وہ لعنت نہیں کیا کرتا"۔

دیکھئے : حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنے سخت الفاظ کے ساتھ تنبیہہ فرمائی۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ اس غلام ہی کو کفارہ کے طور پر آزاد کر دیا۔

اس نصیحت پر زندگی بھر عمل کیا

لہذا کسی کو برا کہنا اور اس کے لئے غلط الفاظ بولنا ٹھیک نہیں، آج ہماری زبانوں پر اس قسم کے برے الفاظ چڑھ گئے ہیں۔ مثلاً خبیث، احمق، کمبخت وغیرہ یہ الفاظ کسی مسلمان کے لئے استعمال کرنا تو حرام ہے ہی، بلکہ کسی جانور اور کافر کے لئے بھی ان الفاظ کو استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ :

"اس نصیحت کو سننے کے بعد میں نے پھر کبھی نہ تو کسی غلام کو، نہ کسی آزاد کو، نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو، کوئی برا کلمہ نہیں کہا"۔

یہ تھے صحابہ کرام، کہ جو نصیحت سن لی، اس کو دل پر نقش کر دیا اور ساری زندگی کا دستور العمل بنا لیا۔

عمل کو برا کہو، ذات کو برا نہ کہو

لیکن اس نصیحت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کو برا نہ کہو، یعنی کوئی شخص خواہ کتنا ہی برا کام کر رہا ہو، گناہ کر رہا ہو، معصیت اور نافرمانی کر رہا ہو، تو تم اس کے

فعل کو بُرا سمجھو، اور بُرا کہو، لیکن اس کی ذات کو بُرا نہ کہو، اس کی ذات کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھو، لہذا کسی کی ذات کو بُرا کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس کا انجام کیسا ہونے والا ہے۔ بیشک آج وہ شخص بُرے کام کر رہا ہے، اور اس کی وجہ سے تم اس کو بُرا سمجھ رہے ہو، لیکن کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمادے، اور مرنے سے پہلے اس کو توبہ کی اور اچھے اعمال کی توفیق دیدے، اور جب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے تو بالکل پاک وصاف ہو کر پہنچے۔ اس لئے کسی شخص کی ذات کو حتیٰ کہ کافر کی ذات کو بھی بُرا نہ سمجھو، اس لئے کہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دیدے، اور پھر وہ تم سے بھی آگے نکل جائے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

العبرۃ بالخواتیم

"یعنی اعتبار خاتمے کا ہے کہ خاتمہ کس حالت پر ہوا؟"۔

اگر ایمان اور عمل صالح پر خاتمہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، وہ تم سے بھی آگے نکل گیا۔

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اس کے دل میں خیال آیا کہ میں جاکر ان سے ملاقات کروں۔ اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے اس کو بتایا کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس

خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا، اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ سے ملاقات کے لئے داخل ہوا، اور آپ سے ملاقات کی۔ اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی۔ اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رُتبہ ہوگا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے، اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے"۔

اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں، میں کہاں، اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چَرواہا ہوں۔ اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے بدبو آرہی ہے۔ ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"ہم تمہیں ضرور گلے سے لگائیں گے۔ اور تمہارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کردیں گے"۔

یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ اور کلمہ شہادت :

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

پڑھ لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ:

"تم ایسے وقت اسلام لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں' اور نہ ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں' زکوٰۃ تم پر فرض نہیں ہے' اس وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے' وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ"۔

اس چرواہے نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس جہاد میں شامل ہو جاتا ہوں' لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے' اس کے لئے دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے' یا غازی یا شہید ______ تو اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجئے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچادیں گے' اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیں گے' اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیں گے"۔

بکریاں واپس کر کے آؤ

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو۔ ان کو جاکر واپس کرو' اس لئے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں"۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے۔ جن کا محاصرہ کیا ہوا

ہے ان کا مال مال غنیمت ہے۔ لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لے کر آیا تھا۔ اس لئے آپ نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کرکے آو۔ پھر آکر جہاد میں شامل ہونا۔ چنانچہ اس چرواہے نے جاکر بکریاں واپس کیں۔ اور واپس آکر جہاد میں شامل ہوا' اور شہید ہوگیا۔

اس کو جنّت الفردوس میں پہنچادیا گیا ہے

جب جنگ ختم ہو گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کا جائزہ لینے لگے۔ ایک جگہ آپ نے دیکھا کہ صحابہ کرام کا مجمع اکٹھا ہے۔ جب آپ قریب پہنچے تو ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا کہ جو لوگ جنگ میں شہید ہو گئے ہیں' ان میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا' آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ' جب آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ :

"تم اس کو نہیں پہچانتے' مگر اس شخص کو میں پہچانتا ہوں۔ یہ چرواہا ہے' اور یہ وہ عجیب و غریب بندہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک بھی سجدہ نہیں کیا۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنّت الفردوس میں پہنچادیا ہے۔ اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملائکہ اس کو غسل دے رہے ہیں۔ اور اس کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اور اس کی بدبو خوشبو سے تبدیل ہو گئی ہے"۔

اعتبار خاتمے کا ہے

دیکھئے : اگر کچھ عرصہ پہلے اس چرواہے کو موت آجاتی تو سیدھا جہنم میں چلا جاتا۔ اور اب اس حالت میں موت آئی کہ ایمان لا چکا ہے' اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بن چکا ہے' تو اب اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انقلاب پیدا فرمادیا۔

اسی لئے فرمایا : "العبرة بالخواتیم" اعتبار خاتمے کا ہے۔ اسی لئے بڑے بڑے لوگ لرزتے رہے۔ اور یہ دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! حسن خاتمہ عطا فرمائیے۔ ایمان پر خاتمہ عطا فرمائیے۔ ______ کس بات پر انسان ناز کرے' فخر کرے' اور اترائے۔ اس لئے کہ کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ کسی کو بھی حقیر مت سمجھو۔

ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ ایک اللہ والے بزرگ کہیں جارہے تھے۔ کچھ لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا ______ جس طرح آجکل صوفی' اور سیدھے سادے مولوی کا لوگ مذاق اڑاتے ہیں ______ بہرحال : مذاق کرنے کے لئے ایک شخص نے ان بزرگ سے پوچھا کہ یہ بتایئے کہ آپ اچھے ہیں یا میرا کتا اچھا ہے؟ اس سوال پر ان بزرگ کو نہ تو غصہ آیا' نہ طبیعت میں کوئی تغیر اور تکدر پیدا ہوا' اور جواب میں فرمایا کہ ابھی تو میں نہیں بتا سکتا کہ میں اچھا ہوں یا تمہارا کتا اچھا ہے۔ اس لئے کہ پتہ نہیں کہ کس حالت میں میرا انتقال ہو جائے۔ اگر ایمان اور عمل صالح پر میرا خاتمہ ہو گیا تو میں اس صورت میں تمہارے کتے سے اچھا ہوں گا' اور اگر خدا نہ کرے' میرا خاتمہ برا ہو گیا تو یقیناً تمہارا کتا مجھ سے اچھا ہے' اس لئے کہ وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ اور اس کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا ______ اللہ کے بندوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ خاتمے پر نگاہ رکھتے ہیں' اسی لئے فرمایا کہ کسی بد سے بدتر انسان کی ذات کو حقیر مت خیال کرو۔ نہ اس کو بُرا کہو۔ اس کے اعمال کو بیشک بُرا کہو کہ وہ شراب پیتا ہے' وہ کفر میں مبتلا ہے' لیکن ذات کو بُرا کہنے کا جواز نہیں۔ جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔

حضرت حکیم الامت ؒ کی غایتِ تواضع

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ :

"میں ہر مسلمان کو فی الحال اپنے سے افضل سمجھتا ہوں' اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ یعنی جو مسلمان ہے اس کے دل میں نہ معلوم کتنے اعلیٰ درجے کا ایمان ہو۔ اور وہ مسلمان مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہو' اس لئے میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور ہر کافر کو احتمالاً اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ اس وقت بظاہر تو وہ کافر ہے' لیکن کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دیدے۔ اور وہ مجھ سے ایمان کے اندر آگے بڑھ جائے"۔

جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔

تین اللہ والے

چند روز پہلے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم دارالعلوم کراچی تشریف لائے۔ یہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ اور ان کی بہت صحبت اٹھائی ہے۔ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور عاشق زار تھے' ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ واقعہ سنایا کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ :

"ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جب بیٹھتے تو ہم پر ایک عجیب حالت طاری رہتی' وہ یہ کہ ہم میں سے ہر شخص کو

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجلس میں جتنے لوگ موجود ہیں' وہ سب مجھ سے افضل ہیں' اور میں سب سے حقیر اور کم تر ہوں۔ اور یہ سب لوگ آگے بڑھے ہوئے ہیں' میں کتنا پیچھے رہ گیا ہوں ــــــ ایک دن میں نے اپنی یہ حالت حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی کہ مجلس میں بیٹھ کر میری یہ حالت ہو جاتی ہے ــــــ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں ــــــ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حالت تو میری بھی ہے' چنانچہ ہم دونوں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے' اور جا کر ان سے عرض کیا کہ حضرت! ہماری عجیب حالت ہے کہ جب ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ سب ہم سے افضل ہیں۔ اور ہم سب سے کم تر ہیں' حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم یہ جو اپنی حالت بیان کر رہے ہو' میں سچ کہتا ہوں کہ میری بھی یہی حالت ہے کہ جب میں مجلس میں بیٹھتا ہوں تو سب مجھ سے افضل نظر آتے ہیں۔ اور میں اپنے کو سب سے کم تر نظر آتا ہوں"۔

اپنے عیوب پر نظر کرو

جس شخص کو اپنے عیوب کا استحضار ہو' اور اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کی خشیت اور اس کی ہیبت دل پر ہو' وہ دوسروں کی بُرائی کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ جس شخص کے اپنے پیٹ میں درد ہو' وہ دوسروں کی چھینک کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہے کہ فلاں کو چھینک آگئی ہے ــــــ اسی طرح جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور

خشیت غالب ہوتی ہے وہ دوسرے کی ذات کو کیسے حقیر اور بُرا سمجھ سکتا ہے۔ اس کو تو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے ______ بہر حال' اس حدیث میں یہ اصول بتا دیا کہ کسی بھی انسان کی ذات کو حقیر مت سمجھو۔ اگر کسی کا عمل خراب ہے تو اس کے عمل کو خراب کہہ سکتے ہو' بُرا کہہ سکتے ہو۔ انسان کو بُرا نہ کہو۔ کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرما دے' اور تم سے آگے نکل جائے۔ اس لئے نہ اپنے کو بڑا سمجھو اور نہ دوسرے کو حقیر سمجھو۔

حجاج بن یوسف کی غیبت کرنا

یہ سب دین کی باتیں ہیں۔ دین کی ان باتوں کو ہم لوگ بھلا بیٹھے ہیں' عبادات' نماز' روزہ تسبیح وغیرہ کو تو ہم دین کا حصہ خیال کرتے ہیں' لیکن ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے۔ اور جس شخص کے بارے میں جو منہ میں آتا ہے' کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک ایک چیز کا ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے :

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ

"وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار رہتا ہے"۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائی شروع کر دی ______ حجاج بن یوسف کو کون نہیں جانتا' اس کے ظلم و ستم بہت مشہور ہیں۔ سیکڑوں مسلمانوں کو بے گناہ قتل کیا ______ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"دیکھو: یہ تم حجاج بن یوسف کی غیبت کر رہے ہو۔ اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سیکڑوں انسانوں کا خون ہے تو اس کی غیبت حلال ہو گئی۔ جب اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف سے سیکڑوں انسانوں کے خون کا بدلہ لیں گے تو اس وقت تم سے بھی حجاج بن یوسف کی غیبت کرنے کا مواخذہ ہوگا"۔

اس لئے بلاوجہ کسی کی غیبت نہ کریں۔ ہاں' اگر کہیں دوسرے کو تکلیف سے بچانے کے لئے بتانے کی ضرورت پڑے تو اس طرح کہدیا جائے کہ بھائی فلاں شخص سے ذرا ہوشیار رہنا' اور اس سے بچ کر رہنا۔ لیکن بلاوجہ مجلس آرائی کی جائے' اور اس میں غیبت کی جائے۔ یہ درست نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ تو یہ رہا ہے کہ کبھی گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا۔ حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے' تم بھی اتنا بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دیا۔ قوم کی طرف سے نبی کو کہا جا رہا ہے کہ:

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ

"تم بیوقوف ہو۔ حماقت میں مبتلا ہو۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو"۔

ہم جیسا کوئی ہوتا تو جواب میں کہتا کہ تم احمق' تمہارا باپ احمق' لیکن نبی کا جواب یہ تھا کہ:

"اے میری قوم' میں بیوقوف نہیں ہوں۔ بلکہ میں پروردگار کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ' جو شاہی خاندان کے فرد ہیں۔ اللہ تعالی نے ان کے دل میں دین کی تڑپ عطا فرمائی تھی۔ اور دین کی بات لوگوں تک پہنچانے کی لئے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور شرک اور بدعات کے خلاف آپ نے جہاد کیا۔ لوگ ایسے آدمی کے دشمن بھی ہوجاتے ہیں۔ _____ ایک دن دہلی کی جامع مسجد میں وعظ فرما رہے تھے تو ایک آدمی نے حضرت کو تکلیف پہنچانے کے لئے بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر کہا کہ :

"مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں؟ "۔

اندازہ لگایئے : کہ اتنے بڑے عالم' اور شاہی خاندان کے ایک فرد ہیں۔ ان کو مغلظ گالی دیدی _____ کوئی اور ہوتا تو نہ جانے وہ اس کہنے والے پر کتنا غصہ نکالتا۔ وہ اگر چھوڑ دیتا تو اس کے حوالی اس کی تکہ بوٹی کردیتے _____ لیکن یہ پیغمبروں کے وارث ہیں۔ چنانچہ جواب میں فرمایا :

"آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب بھی دلّی میں موجود ہیں"۔

یہ ہیں پیغمبرانہ اخلاق' اور پیغمبرانہ سیرت کہ گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا جارہا ہے۔

دوسری نصیحت

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسری نصیحت یہ

فرمائی کہ :

"کسی بھی نیکی کے کام کو ہرگز حقیر مت سمجھو، بلکہ جس وقت جس نیک کام کا موقع آجائے۔ اور اس کے کرنے کی توفیق ہوجائے تو اس کو غنیمت سمجھ کر کرلو"۔

شیطان کا داؤ

اس کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کے ایک بہت بڑے داؤ کو ختم فرمادیا۔ شیطان کا ایک داؤ یہ ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے دل میں کسی نیک کام کا داعیہ اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ فلاں نیک کام کرلوں تو شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ میاں! یہ چھوٹا سے نیک کام کرکے تم کونسا تیر مار لوگے۔ تمہاری ساری زندگی تو ناجائز کاموں میں گزری ہے، اگر تم نے یہ چھوٹا سا نیک کام کرلیا تو اس کے نتیجے میں کونسی تمہیں جنت مل جائے گی۔ اس لئے اس نیکی کو بھی چھوڑ دو ـــــــ اس طرح شیطان اس نیکی سے بھی انسان کو محروم کرا دیتا ہے۔ حالانکہ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ کسی بھی نیکی کے کام کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو۔ بلکہ اس کو کر گزرو۔

چھوٹا عمل بھی باعث نجات ہے

اور اس نصیحت میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جس نیک کام کو تم حقیر سمجھ کر چھوڑ رہے ہو۔ کیا پتہ کہ وہ کام اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا عظیم ہو، اور اس کام کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمادیں، تو شاید وہی کام تمہاری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ احادیث میں اور بزرگان دین کے واقعات میں بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے عمل پر مغفرت فرمادی۔

ایک فاحشہ عورت کا واقعہ

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ واقعہ آتا ہے کہ :

"ایک فاحشہ عورت راستے سے گزر رہی تھی۔ راستے میں دیکھا کہ ایک کنویں کے پاس ایک کتا ہانپ رہا ہے' اور پانی پینا چاہتا ہے' لیکن پانی اتنا نیچے ہے کہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتا' اس عورت کو اس کتے پر ترس آیا' اور اس نے سوچا کہ یہ کتا اللہ کی مخلوق ہے' اور پیاس سے بے چین ہے' اس کتے کو پانی پلانا چاہئے۔ اس نے ڈول تلاش کیا تو کوئی ڈول وہاں نہیں ملا' آخر اس نے اپنے پاؤں سے ایک چمڑے کا موزہ اتارا' اور کسی طرح اس کنویں سے پانی بھرا' اور اس کتے کو پلا دیا۔ اور اس کی پیاس دور کردی ــــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ صرف اس عمل پر اس کی مغفرت فرمادی"۔

بتائیے : اگر وہ عورت یہ سوچتی کہ میں تو ایک فاحشہ عورت ہوں' میں تو جہنم کی مستحق ہوں۔ اگر میں نے کتے کو پانی پلانے کا یہ چھوٹا سا عمل کر بھی لیا تو کونسا انقلاب آجائے گا۔ اگر وہ یہ سوچتی تو اس عمل سے بھی محروم ہوجاتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی نجات نہ ہوتی۔ بہرحال : اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر اس کی نجات فرمادی۔

مغفرت کے بھروسے پر گناہ مت کرو

لیکن اس واقعے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ بس اب جتنے چاہو گناہ کرتے رہو۔ ساری زندگی گناہوں میں گزار دو۔ بس ایک دن پیاسے کتے کو پانی پلادیں گے تو سب گناہ معاف ہو جائیں گے ــــــ یہ سوچ بالکل غلط ہے' اس لئے کہ ایک

تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، اور ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ جو شخص گناہ کرے گا، اس کو اس گناہ کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم یہ ہے کہ کسی بندے کے کسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہ کو معاف فرمادے۔ لیکن اس کرم اور رحمت کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ کس عمل پر کس وقت ہوگی؟ اور کس وقت نہیں ہوگی؟ لہٰذا اس بھروسے پر آدمی گناہ کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی نہ کوئی عمل قبول ہو جائے گا، اور گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یہ بات ٹھیک نہیں ـــ ـــــ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

العاجز من اتبع نفسه هواها وتمنّى على الله

(ترمذی، باب صفة القيامة، حديث نمبر ٢٤٦١)

"عاجز وہ شخص ہے جو اپنے کو خواہشات کے پیچھے لگادے۔ جہاں خواہشات اس کو لے جارہی ہیں وہ وہیں جارہا ہے۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ پر آرزو باندھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب معاف فرمادیں گے"۔

اور جب کسی سے کہا جائے کہ گناہوں کو چھوڑ دو تو جواب میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں، معاف فرمادیں گے۔ اسی کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تمنائیں باندھتا ہے ـــــ گویا کہ وہ مشرق کی طرف دوڑا جارہا ہے، اور اللہ سے یہ امید لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مغرب میں پہنچادیں گے۔ راستہ تو جہنم کا اختیار کر رکھا ہے، اور یہ امید لگا رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچادیں گے۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی عمل کی بدولت اپنی رحمت سے کسی انسان کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ جس کا کوئی قاعدہ قانون مقرر نہیں۔ لیکن کوئی شخص اس امید پر گناہ کرتا رہے کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے گی، اور میں بچ جاؤں گا۔ یہ

ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی نہیں ہوتی جو مغفرت کے بھروسے پر گناہ کرتا رہے۔

ایک بزرگ کی مغفرت کا واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ واقعہ سنا کہ:

"ایک بزرگ جو بہت بڑے محدث بھی تھے، جنہوں نے ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو کسی شخص نے خواب میں ان کی زیارت کی، اور ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے کیسا معاملہ فرمایا۔ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بڑا عجیب معاملہ ہوا۔ وہ یہ کہ ہم نے تو ساری عمر علم کی خدمت میں اور حدیث کی خدمت میں گزاری، اور درس و تدریس اور تصنیف اور وعظ و خطابت میں گزاری۔ تو ہمارا خیال یہ تھا کہ ان اعمال پر اجر ملے گا ____ لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ اور ہی معاملہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمیں تمہارا ایک عمل بہت پسند آیا، وہ یہ کہ ایک دن تم حدیث شریف لکھ رہے تھے۔ جب تم نے اپنا قلم دوات میں ڈبو کر نکالا تو اس وقت ایک پیاسی مکھی آکر اس قلم کی نوک پر بیٹھ گئی، اور سیاہی چوسنے لگی، تمہیں اس مکھی پر ترس آگیا۔ تم نے سوچا کہ یہ مکھی اللہ کی مخلوق ہے، اور پیاسی ہے، یہ سیاہی پی لے تو پھر میں قلم سے کام کروں۔ چنانچہ اتنی دیر کے لئے تم نے اپنا قلم روک لیا۔ اور اس وقت تک قلم سے کچھ نہیں لکھا جب تک وہ مکھی اس قلم پر

بیٹھ کر سیاہی چوستی رہی۔ یہ عمل تم نے خالص میری رضامندی
کی خاطر کیا۔ اس لئے اس عمل کی بدولت ہم نے تمہاری
مغفرت فرمادی۔ اور جنت الفردوس عطا کردی"۔

دیکھئے : ہم تو یہ سوچ کر بیٹھے ہیں کہ وعظ کرنا، فتویٰ دینا، تہجد پڑھنا، تصنیف کرنا وغیرہ یہ بڑے بڑے اعمال ہیں ــــــــ لیکن وہاں ایک پیاسی مکھی کو سیاہی پلانے کا عمل قبول کیا جارہا ہے۔ اور دوسرے بڑے اعمال کا کوئی تذکرہ نہیں ــــــ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو جتنی دیر قلم روک کر رکھا، اگر اس وقت قلم نہ روکتے تو حدیث شریف ہی کا کوئی لفظ لکھتے، لیکن اللہ کی مخلوق پر شفقت کی بدولت اللہ نے مغفرت فرمادی۔ اگر وہ اس عمل کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے تو یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی۔

لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا عمل مقبول ہوجائے۔ وہاں قیمت عمل کے حجم، سائز اور گنتی کی نہیں ہے۔ بلکہ وہاں عمل کے وزن کی قیمت ہے، اور یہ وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے بہت سے اعمال کئے، لیکن ان میں اخلاص نہیں تھا، تو گنتی کے اعتبار سے تو وہ اعمال زیادہ تھے، لیکن فائدہ کچھ نہیں۔ دوسری طرف اگر عمل چھوٹا سا ہو، لیکن اس میں اخلاص ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا بن جاتا ہے۔ لہٰذا جس وقت دل میں کسی نیکی کا ارادہ پیدا ہورہا ہے تو اس وقت دل میں اخلاص بھی موجود ہے۔ اگر اس وقت وہ عمل کرلو گے تو امید ہے کہ وہ انشاء اللہ مقبول ہوجائے گا۔ یہ تو ایک حکمت ہوئی۔

نیکی نیکی کو کھینچتی ہے

دوسری حکمت یہ ہے کہ جب نیک کام کرنے کا دل میں خیال آیا اور اس کو کرلیا، تو ایک نیک کام کرنے کے بعد دوسرے نیک کام کی بھی توفیق ہوجاتی ہے۔ اس

لئے کہ نیکی نیکی کو کھینچتی ہے، اور برائی برائی کو کھینچتی ہے، ایک برائی کی خاطر بعض اوقات انسان کو بہت سی برائیاں کرنی پڑتی ہیں ______ اس لئے جب تم نے ایک نیک کام کیا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مزید نیکی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک چھوٹی سی نیکی کی وجہ سے انسان کی پوری زندگی بدل جاتی ہے۔ اور زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

میرے شیخ حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ "اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے" آمین" فرمایا کرتے تھے کہ :

"دل میں جو نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے کہ فلاں نیک کام کرلو، اس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں "وارد" کہتے ہیں، فرماتے تھے کہ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے، اگر تم نے اس مہمان کی خاطر کی، اس طرح کہ جس نیکی کا خیال آیا تھا، وہ نیک کام کرلیا۔ تو یہ مہمان اپنی قدر دانی کی وجہ سے دوبارہ بھی آئے گا۔ آج ایک نیک کام کی طرف توجہ دلائی، کل کو دوسرے کام کی طرف توجہ دلائے گا۔ اور اس طرح تمہاری نیکیوں کو بڑھاتا چلا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے اس مہمان کی خاطر مدارات نہ کی۔ بلکہ اس کو دھتکار دیا، یعنی جس نیک کام کرنے کا خیال تمہارے دل میں آیا تھا، اس کو نہ کیا، تو پھر رفتہ رفتہ یہ مہمان آنا چھوڑ دیگا، اور پھر نیکی کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا نہیں ہوگا۔ نیکی کے خیالات آنا بند ہو جائیں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ

یعنی بداعمالیوں کے سبب ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا' اور نیکی کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس لئے یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں جو ہیں' ان کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اس لئے کہ یہ بڑی نیکیوں تک پہنچا دیتی ہیں۔

شیطان کا دوسرا داؤ

تیسری حکمت یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے تو بعض اوقات شیطان اس طرح بھی انسان کو بہکاتا ہے کہ یہ کام بہت اچھا ہے۔ ضرور کرنا چاہئے۔ لیکن جلدی کیا ہے؟ کل سے یہ کام کریں گے' پرسوں سے کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نیک کام ٹل جاتا ہے۔ اس لئے کہ آج دل میں جو نیکی کا داعیہ پیدا ہوا ہے' معلوم نہیں کل کو یہ داعیہ باقی رہے گا یا نہیں؟ کل اس نیک کام کے کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ کل آئے گی یا نہیں آئے گی۔ اس لئے جس وقت نیکی کا داعیہ دل میں پیدا ہو' اسی وقت عمل کر لینا چاہئے۔ مثلاً راستے میں گزر رہے ہیں' کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہوئی نظر آئی' اور دل میں خیال آیا کہ اس کو ہٹانا چاہئے' اسی وقت اس کو ہٹا دو۔ یا مثلاً آپ نے پانی پینے کا ارادہ کیا' دل میں خیال آیا کہ بیٹھ کر پینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' تو فوراً بیٹھ جاؤ' اور بیٹھ کر پانی پی لو۔ کھانا کھانے کے لئے بیٹھے' خیال آیا کہ بسم اللہ پڑھ لوں' تو فوراً پڑھ لو ______ لہذا جس کسی چھوٹی نیکی کا خیال بھی دل میں آئے' اس کو کر گزرو۔ میں نے اسی جذبے کے تحت "آسان نیکیاں" کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا ہے' اور اس میں ان نیکیوں کو لکھ دیا ہے جو بظاہر آسان اور چھوٹی چھوٹی ہیں۔ لیکن ان کا اجر و ثواب بڑا عظیم ہے۔ ان پر عمل کرنے کا اہتمام کرے تو انسان بہت سا اجر و ثواب کا ذخیرہ جمع کر سکتا ہے۔ یہ آسان اور چھوٹی نیکیاں

انشاء اللہ بالآخر انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیں گی۔ ہر شخص اس کو لے کر پڑھے۔ اور پھر ایک ایک نیکی کو اپنی زندگی میں داخل کرے۔ اور ان پر عمل کی کوشش کرے، تو انشاء اللہ منزل تک پہنچادیں گی۔

کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو

اسی طرح ایک چیز اور ہے جو اس کے بالمقابل ہے، وہ یہ کہ جس طرح نیکی کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اسی طرح کسی گناہ کو حقیر سمجھ کر اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا کوئی گناہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس گناہ کو مت کرو۔ یہ بھی شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گناہ کرنے کا دل میں خیال آیا، لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آگیا کہ گناہ ہے، اس لئے یہ نہیں کرنا چاہئے تو ایسے وقت شیطان یہ بہکاتا ہے کہ تم نے اتنے بڑے بڑے گناہ تو پہلے سے کر رکھے ہیں، اگر تم نے یہ چھوٹا سا گناہ بھی کرلیا تو کونسی قیامت آجائے گی۔ اور اگر تمہیں گناہ سے بچنا ہے تو بڑے بڑے گناہوں سے بچو، اس چھوٹے سے گناہ سے کیا بچ رہے ہو۔ اس لئے اس کو تو کر گزرو ——— یاد رکھو: کوئی چھوٹا گناہ معمولی سمجھ کر کرنے میں وہ بڑا گناہ بن جاتا ہے۔

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تفریق

یہ جو گناہوں کی دو قسمیں ہیں "صغیرہ گناہ" اور "کبیرہ گناہ" تو صغیرہ گناہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو کرلو۔ اور کبیرہ گناہ سے بچنے کی کوشش کرو، بلکہ دونوں گناہ ہیں۔ البتہ یہ چھوٹا گناہ ہے، اور وہ بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگ اس تحقیق میں پڑے رہتے ہیں کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ ان کی تحقیق کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اگر کبیرہ ہے تو بچنے کا اہتمام کریں، اور اگر صغیرہ ہے تو کرلیں ——— اس بارے میں

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

"اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے آگ کا بڑا انگارہ اور چھوٹی چنگاری، کہ اگر چھوٹی چنگاری ہے تو اس کو اٹھا کر اپنے کپڑوں کی الماری میں رکھ لو، اس لئے کہ وہ چھوٹی سی تو ہے۔ لیکن یاد رکھو! وہی چھوٹی چنگاری تمہاری الماری کو جلادے گی، جس طرح بڑا انگارہ جلاڈالتا ہے، ____ یا جیسے چھوٹا سانپ اور بڑا سانپ، ڈسنے میں دونوں برابر ہیں ____ اس طرح گناہ صغیرہ ہو، چاہے کبیرہ ہو، جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا عمل ہے تو پھر کیا صغیرہ اور کیا کبیرہ"۔

اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص صغیرہ گناہ کو صغیرہ سمجھ کر کرلے تو وہی صغیرہ پھر کبیرہ بن جاتا ہے، اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اختیار مت کرو۔

گناہ گناہ کو کھینچتا ہے

یاد رکھو : جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے، اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، برائی برائی کو کھینچتی ہے، آج اگر تم نے ایک گناہ کرلیا اور یہ سوچا کہ چھوٹا گناہ ہے، کرلو، یاد رکھو : وہ گناہ دوسرے گناہ کو کھینچے گا، دوسرا گناہ تیسرے گناہ کو کرائے گا، اور بات پھر کسی حد پر نہیں رکے گی ____ اور گناہ کے معنی ہیں "اللہ کی نافرمانی" اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک نافرمانی پر پکڑ فرمالیں تو صرف ایک نافرمانی بھی جہنم میں پہنچانے کے لئے کافی ہے، چاہے وہ نافرمانی چھوٹی ہو، یا بڑی ہو۔ پھر بچنے کا کوئی راستہ نہیں ____ اس لئے کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو۔

تیسری نصیحت

تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ:

"تم اپنے بھائی سے اس حالت میں بات کرو کہ تمہارا چہرہ کھلا ہوا ہو۔ اس کے ساتھ کشادہ پیشانی کے ساتھ بات کرو۔ خندہ روئی سے بات کرو۔ اس لئے کہ یہ بھی نیکی کا ایک حصہ ہے"۔

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے' اس پر بھی انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے"۔

یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنّت ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خاص صحابہ کرام میں سے ہیں' جن کو "یوسف هذه الأمة" یعنی "اس امت کے یوسف" کہا جاتا ہے' اس لئے کہ وہ بڑے حسین و جمیل تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر میری نگاہ پڑتی تو کبھی یاد نہیں کہ آپ نے تبسم نہ فرمایا ہو' جب کبھی آپ سے ملاقات ہوتی تو آپ کے چہرے پر تبسم آجاتا' آپ کا چہرہ کھلا ہوا ہوتا"۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آدمی دین کی طرف آئے تو بالکل خشک اور کھردرا بن جائے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ آئے' اس کو دین کا حصہ سمجھتے ہیں ـــــ معلوم نہیں کہ کہاں سے یہ بات حاصل کرلی ہے' حالانکہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے خلاف ہے' اس لئے جب کسی سے ملو تو مسکراتے ہوئے ملو' ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

"بعض لوگ مال کے کنجوس ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ تبسم

کے کنجوس اور بخیل ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے پر کبھی تبسم ہی نہیں آتا۔ حالانکہ یہ تو بہت آسان نیکی ہے کہ جب کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرو، مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملاقات کرو، اور اس کا دل خوش کرو، اور جب تم نے اس کا دل خوش کردیا تو تمہارے نامہ اعمال میں نیکی کا اضافہ ہوگیا، اور صدقہ لکھا گیا"۔

چوتھی نصیحت

چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ :

"اپنے زیر جامہ کو چاہے پاجامہ ہو، یا شلوار یا تہبند ہو، اس کو آدھی پنڈلی تک رکھو، اگر آدھی پنڈلی تک نہیں رکھ سکتے تو ٹخنوں تک رکھو، اور ٹخنوں سے نیچے ازار لیجانے سے بچو، اس لئے کہ یہ تکبر کا حصہ ہے"۔

دیکھئے : اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر ہو تو نیچے مت کرو، اور تکبر نہ ہو تو نیچے کرلو، بلکہ یہ فرمایا کہ نیچے مت کرو، اس لئے کہ یہ تکبر ہے۔ بعض لوگ یہ کہدیتے ہیں کہ ہم تکبر کی وجہ سے نیچے نہیں کرتے، بلکہ ویسے ہی یا فیشن کی وجہ سے نیچے کرتے ہیں، اور جو ممانعت ہے وہ تکبر کی وجہ سے ہے ____ ایسا کہنے والے بڑے عجیب لوگ ہیں۔ جن کو اپنے متکبر نہ ہونے کا اس قدر اطمینان ہے، حالانکہ اس روئے زمین پر تکبر سے پاک اور تکبر سے بری کوئی ذات ہو سکتی ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہیں ہو سکتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے اندر تکبر نہیں ہے، اس لئے میں اپنی ازار نیچے کرلیتا ہوں، بلکہ ساری عمر کبھی ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں کیا، اگر تکبر نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے لئے ٹخنوں سے نیچے ازار پہننا جائز ہوتا تو حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی اجازت ہوتی ______ اس لئے یہ خیال دل سے نکال دو ______ چنانچہ اس نصیحت میں آپ نے فرمایا کہ اس سے بچو' اس لئے کہ یہ تکبر کا حصّہ ہے' اور اللہ تعالیٰ تکبر اور خود پسندی کو پسند نہیں کرتے۔ "خود پسندی" کے معنی ہیں "اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنا" کہ میرے اندر بڑے اوصاف اور کمالات ہیں' یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو شکستگی' عاجزی اور درماندگی پسند ہے' اللہ تعالیٰ کے سامنے جتنا شکستہ اور ماندہ رہو گے' تواضع کرو گے' اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاؤ گے۔ اور جہاں بڑائی اور خود پسندی آگئی' تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

پانچویں نصیحت

پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ :

"اگر کوئی انسان تمہیں گالی دے' یا تم کو کسی ایسے عیب کی وجہ سے عار دلائے جو عیب واقعی تمہارے اندر ہے' تو اس کے بدلے میں تم اس کے اس عیب پر عار مت دلاؤ جو عیب تم اس کے اندر جانتے ہو"۔

یعنی گالی کے بدلے گالی مت دو' اور عار دلانے میں اس کو عار مت دلاؤ۔ اس لئے کہ اس شخص کے گالی دینے اور عار دلانے کا وبال اس کے اوپر ہے' اس کا مواخذہ اس سے ہو گا۔ اور اگر تم بدلہ لے لوگے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اور اگر بدلہ نہیں لوگے' بلکہ صبر کرو گے' تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر عظیم تم کو ملے گا۔ مثلاً ایک شخص نے تم سے کہا کہ تم بے وقوف ہو' تم نے جواب میں اس سے کہا "تم بیوقوف" تو یہ تم نے بدلہ لے لیا' اگرچہ تم نے کوئی ناجائز کام نہیں کیا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں دنیا یا آخرت کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور اگر تم خاموش ہو گئے' اور کوئی جواب نہیں دیا تو اس کے نتیجے میں کڑھن پیدا ہوئی اور غصہ آیا' لیکن اس غصے کو ضبط

کر گئے' اور صبر سے کام لیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ :

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ

"یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں"۔

لہٰذا اپنی زبان کو روک کر اور نفس کو قابو میں کر کے بے حساب اجر کمالیں۔ آج ہم یہاں بیٹھ کر بے حساب اجر کا اندازہ نہیں کر سکتے' لیکن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونگے۔ تو اس وقت پتہ چلے گا کہ اس زبان کو ذرا سا روک لینے سے کتنا عظیم فائدہ حاصل ہوا ______ بہرحال' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمادی کہ گالی کا جواب گالی سے مت دو' اگرچہ تمہیں بدلہ لینے کا حق حاصل ہے' لیکن حق کو استعمال کرنے سے بہتر یہ ہے کہ معاف کردو' چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

"یعنی جو شخص صبر کرے' اور معاف کردے تو یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔

"یعنی جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے' تم اچھائی سے اس کا بدلہ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جس کے ساتھ تمہاری دشمنی

تھی، وہ تمہارا دوست بن جائے گا۔ لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا
کہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنے اندر صبر کرنے کی
عادت ڈالی ہو، اور وہ شخص کر سکتا ہے جو بہت خوش نصیب
ہو"۔

اس لئے بدلہ لینے کے بجائے معاف کرنے کی عادت ڈالو ______ ایک حدیث
شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کو معاف کر دے تو
میں اس شخص کو اس دن معاف کروں گا، جس دن اس کو معافی
کی سب سے زیادہ ضرورت ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت میں
انسان کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہو گی"۔

یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں ہیں۔ اگر ہم ان کو اپنی زندگی میں
اپنالیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں، عداوتیں مٹ جائیں، فتنے ختم ہو جائیں۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

اُمتِ مسلمہ آج کہاں کھڑی ہے؟

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطاب ـــــــــ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب ـــــ محمد عبداللہ میمن

تاریخ ـــــــــ

مقام ـــــــــ

جلد ـــــــــ نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امت مسلمہ آج کہاں کھڑی ہے؟

تجزیہ و راہ عمل

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین، وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین، وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔

اما بعد:

جناب صدر محترم جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب اور معزز حاضرین ــ یہ میرے لئے سعادت اور خوش نصیبی کا موقع ہے کہ ملک کے ایک عظیم تحقیقی ادارے کے زیر سایہ ملک کے اہل فکر حضرات کی محفل میں ایک طالب علم کی حیثیت سے شامل ہونے کا موقع مل رہا ہے، اور ایک ایسے موضوع پر گفتگو کی سعادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشی جا رہی ہے، جو ہمارے حال اور مستقبل کیلئے بڑی اہمیت کا موضوع ہے۔ میرے برادر محترم جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری صاحب نے میرے بارے میں جو باتیں ارشاد فرمائیں، انہوں نے اپنے حسن ظن اور محبت کی وجہ سے جن جذبات اور جن توقعات کا اظہار فرمایا ہے، انکے بارے میں اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے واقعتاً ان کا اہل بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

امت مسلمہ کے دو متضاد پہلو

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے آج کی گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ:
"امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟" یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کے بہت سے پہلو ہیں۔ امت مسلمہ سیاسی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ معاشی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ اخلاقی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ غرض مختلف حیثیتوں سے اس سوال کو مختلف صورتیں دی جا سکتی ہیں جن میں سے ہر ایک حیثیت مفصل گفتگو کی محتاج ہے، اور تمام حیثیتوں کا ایک نشست میں احاطہ مشکل ہے، لہٰذا میں اس وقت اس سوال کے صرف ایک پہلو پر مختصراً کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ امت مسلمہ فکری اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ آج جب ہم امت مسلمہ کی موجودہ حالت کا جائزہ لیتے ہیں تو دو قسم کے متضاد تأثرات ہمارے سامنے آتے ہیں ــ ایک تأثر یہ ہے کہ امت مسلمہ زوال اور انحطاط کا شکار ہے چنانچہ آجکل امت مسلمہ کی زبوں حالی اور بدحالی کا تذکرہ زبان زد رہتا ہے ــ لیکن دوسری طرف اسی ماحول میں اسلامی بیداری ــ جسے عربی میں "الصحوۃ الاسلامیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ــــ کا تذکرہ بھی زور و شور کے ساتھ کیا جارہا ہے ــــ پہلے تأثر کا خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ زوال پذیر ہے، اور زبوں حالی کا شکار ہے، اور دوسرے تأثر کا نتیجہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے ساتھ غیر معمولی توقعات اور امیدیں وابستہ کی جارہی ہیں، بعض اوقات پہلے تأثر سے مرعوب اور مغلوب ہو کر ہم مایوسی کا شکار ہونے لگتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے تأثر سے اثر لیکر ضرورت سے زیادہ توقعات اور امیدیں وابستہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

"حق" دو انتہاؤں کے درمیان

میری ناچیز گزارش یہ ہے کہ حق ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، یہ

بھی اپنی جگہ درست ہے کہ ہم بحیثیت ایک امت کے زوال اور انحطاط کا شکار ہیں۔ اور یہ بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اسی زوال اور انحطاط کے دور میں ایک اسلامی بیداری کی لہر پورے عالم اسلام میں محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن ہمیں نہ تو اتنا مایوس اور قنوطیت کا شکار ہونا چاہئے جو ہمیں بے عمل بنادے، اور نہ اسلامی بیداری کے محض عنوان اور اصطلاح سے متاثر ہو کر اس سے اتنی توقعات وابستہ کرنی چاہئیں کہ ہم اپنی اصلاح سے غافل ہو جائیں ـــــ بلکہ حق ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے، یہ موضوع کہ "امت مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟" اپنے دامن میں یہ سوال بھی خود بخود رکھتا ہے کہ اس امت کو کہاں جانا ہے؟ اور کس طرح جانا ہے؟ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں ان دونوں انتہاؤں سے قدرے ہٹ کر اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہوئے ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ الحمد اللہ، اس بات کے باوجود کہ ہم بہت سے شعبوں اور زندگی کے گوشوں میں نہ صرف یہ کہ زوال کا شکار ہیں، بلکہ زوال پذیر ہیں، یہ احساس امت مسلمہ کے تقریباً ہر خطے میں پیدا ہو رہا ہے کہ ہمیں اپنی اصل کی طرف لوٹنا چاہئے، اور بحیثیت ایک مسلمان کے اس دین اسلام کو روئے زمین پر نافذ کرنا چاہئے۔ اسی احساس کو آجکل کی اصطلاح میں "الصحوة الاسلامية" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسلام سے دوری کی ایک مثال

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا کرشمہ ہے کہ عالم اسلام کی سیاسی باگ ڈور جن ہاتھوں میں ہے، اگر ان کو دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اسلام سے دوری کی انتہاء ہو چکی ہے ـــــ ایک واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا، اور اگر بذات خود میرے ساتھ پیش نہ آتا تو میرے لئے شاید اس پر یقین کرنا مشکل ہوتا۔ لیکن چونکہ خود میرے ساتھ پیش آیا، اسلئے یقین کیئے بغیر چارہ نہیں، میرا

ایک وفد کے ساتھ ایک مشہور اسلامی ملک میں جانا ہوا، ہمارے وفد کی طرف سے یہ تجویز ہوئی کہ سربراہ مملکت سے ملاقات کے وقت ان کی خدمت میں وفد کی طرف سے قرآن کریم کا ھدیہ پیش کیا جائے، لیکن سربراہ مملکت کو تحفہ پیش کرنے سے پہلے پروٹوکول سے رابطہ کرنا پڑتا ہے چنانچہ وفد کی طرف سے پروٹوکول کو اطلاع دی گئی کہ یہ تحفہ وفد پیش کرنا چاہتا ہے، ایک دن کے بعد ہمیں افسر مہمان داری نے یہ پیغام دیا کہ وفد کی طرف سے سربراہ مملکت کو قرآن کریم کا تحفہ پیش نہیں کیا جاسکتا، وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر ان کو یہ تحفہ پیش کیا جائیگا تو ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقلیت کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے ــــ چنانچہ ہم سے معذرت کر لی گئی کہ قرآن کریم کے بجائے کوئی اور تحفہ پیش کریں ــــــ سرکاری اور سیاسی اقتدار کی سطح پر اسلام سے وابستگی کا تو یہ حال ہے۔

اسلامی بیداری کی ایک مثال

لیکن یہ جواب سننے کے بعد اس روز شام کو ایک مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے جانے کا اتفاق ہوا، مسجد نوجوان لڑکوں سے بھری ہوئی تھی، عمر رسیدہ افراد کے مقابلے میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی، نماز کے بعد وہ سارے نوجوان ایک جگہ بیٹھ کر اپنی زبان میں گفتگو کر رہے تھے، پتہ کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ان کا روزانہ کا معمول ہے کہ نماز کے بعد دین سے متعلق کوئی کتاب پڑھ کر سناتے ہیں اور آپس میں اس کا مذاکرہ کرتے ہیں ــــــ لوگوں نے یہ بتایا کہ یہ سلسلہ صرف اس ایک مسجد کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ پورے ملک کی تمام مساجد میں یہ طریقہ جاری ہے، جبکہ ان نوجوانوں کی کسی تنظیم کوئی نہیں ہے، اور نہ رسمی طور پر آپس میں رابطے کا کوئی تعلق ہے۔ اسکے باوجود ہر مسجد میں یہ سلسلہ قائم ہے۔

عالم اسلام کی مجموعی صورت حال

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سیاسی سطح پر اور اقتدار کی سطح پر اسلام کے ساتھ کیا رویہ ہے، اور نئی نسل میں اور نوجوانوں میں اسلام کے ساتھ وابستگی کا کیسا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ بہر حال، بحیثیت مجموعی عالم اسلام کے حالات پر غور کرنے سے یہ نظر آئیگا کہ سیاسی اقتدار عام طور پر اسلام کے بارے میں یا تو معاندانہ رویہ رکھتا ہے، یا کم از کم لاتعلق ہے، اسکو اسلام سے کوئی سروکار نہیں، اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ الا ماشاء اللہ ـــــ لیکن اسکے ساتھ ساتھ عوام کے اندر، خاص طور پر نوجوانوں کے اندر ایک بیداری کی لہر ہے، اور عالم اسلام کے مختلف خطوں میں یہ تحریک عملی طور پر چل رہی ہے کہ اسلام کو اپنی زندگی کے اندر نافذ کیا جائے، اور اسکو عملی طور پر برپا کیا جائے۔

اسلام کے نام پر قربانیاں

یہ درست ہے کہ اس راستے میں قربانیوں کی کمی نہیں، بہت سے ملکوں میں اسلام کو نافذ کرنے کیلئے جو تحریکیں چلی ہیں، اور اس انداز سے چلی ہیں کہ لوگوں نے ان کے لئے اپنی جان، مال اور جذبات کی بیش بہا قربانیاں پیش کیں، سچی بات یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے قابل فخر ہیں ـــ مصر میں، الجزائر میں اور دوسرے اسلامی ممالک میں جو قربانیاں دی گئیں، خود ہمارے ملک کے اندر اسلام کے نام پر، اسلامی شریعت کے نفاذ کی خاطر لوگوں نے اپنی جان و مال کی قربانیاں پیش کیں، وہ ایک ایسی مثال ہے جس پر امت بلاشبہ فخر کر سکتی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دلوں میں ایمان کی چنگاری باقی ہے۔

تحریکات کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں؟

لیکن ان ساری قربانیوں، ساری کوششوں اور کاوشوں کے باوجود ایک عجیب منظر یہ نظر آتا ہے کہ کوئی تحریک ایسی نہیں ہے جو کامیابی کی آخری منزل تک پہنچی ہو، یا تو وہ تحریک بیچ میں دب کر ختم ہو گئی، یا اسکو دبا دیا گیا، یا خود وہ تحریک آگے چل کر شکست و ریخت کا شکار ہو گئی، جسکے نتیجے میں اس تحریک کے جو مطلوبہ ثمرات تھے، وہ حاصل نہ ہو سکے ــــــ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اسلئے کہ یہ بیداری کی تحریکیں اٹھ رہی ہیں، قربانیاں بھی دی جا رہی ہیں، وقت بھی صرف ہو رہا ہے، محنت بھی ہو رہی ہے، اسکے باوجود کامیابی کی کوئی واضح مثال سامنے نہیں آتی ــ ہم میں سے ہر شخص کو اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے، میں ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے اس پر جو غور کر سکا ہوں وہ آپ حضرات کی خدمت میں اس محفل میں پیش کرنا چاہتا ہوں، کہ اس صورت حال کے بنیادی اسباب کیا ہیں؟ اور ہم کس طرح ان کا ازالہ کر سکتے ہیں؟

اس سلسلے میں جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ بہت نازک بات ہے، اور مجھے اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اگر اس نازک بات کی تعبیر میں تھوڑی سی بھی لغزش ہوئی تو وہ غلط فہمیاں پیدا کر سکتی ہے، لیکن میں یہ خطرہ مول کر ان دو پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جو میرے نزدیک اس صورت حال کا بنیادی سبب ہیں، اور جن پر ہمیں سچے دل سے اور ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر مسلموں کی سازشیں

اسلامی تحریکوں کے بار آور نہ ہونے کا ایک سبب جو ہر شخص جانتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلم طاقتوں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کو دبانے کی سازشیں کی

جاری ہیں، اس سبب کا مفصل تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ ہر مسلمان اس سے واقف ہے ـــــ لیکن میرا ذاتی ایمان یہ ہے کہ غیر مسلموں کی سازشیں امت مسلمہ کو نقصان پہنچانے کیلئے کبھی بھی اس وقت تک بار آور نہیں ہو سکتیں جب تک خود امت مسلمہ کے اندر کوئی خامی یا نقص موجود نہ ہو، بیرونی سازش ہمیشہ اس وقت کامیاب ہوتی ہے، اور ہمیشہ اس وقت تباہی کا سبب بنتی ہے جب ہمارے اندر کوئی نقص آجائے، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک کوئی دور سازشوں سے خالی نہیں رہا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

لہذا یہ سازش نہ کبھی ختم ہوئی ہے، اور نہ کبھی ختم ہو سکتی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس سے پہلے ابلیس پیدا ہو چکا تھا، لہذا یہ توقع رکھنا کہ سازشیں بند ہو جائیں گی، یہ توقع بڑی خود فریبی کی بات ہے۔

سازشوں کی کامیابی کے اسباب

اب ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ نقص اور خرابی اور خامی کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ سازشیں ہمارے خلاف کامیاب ہو رہی ہیں؟ اور یہ سوچنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ آج جب ہم اپنی زبوں حالی کا تذکرہ کرتے ہیں تو عموماً ہم سارا الزام اور ساری ذمہ داری ان سازشوں پر ڈالتے ہیں کہ یہ فلاں کی سازش سے ہو رہا ہے، یہ فلاں کا بویا ہوا بیج ہے، اور خود فارغ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ خود ہمارے اندر کیا خرابیاں اور کیا خامیاں ہیں؟ اس سلسلے میں دو بنیادی چیزوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، جو میری نظر میں ان ناکامیوں کا بہت بڑا سبب ہیں۔

شخصیت کی تعمیر سے غفلت

ان میں سے پہلی چیز شخصیت کی تعمیر کی طرف توجہ کا نہ ہونا ہے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ ہر پڑھالکھا انسان یہ بات جانتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں، ان میں بہت سے احکام اجتماعی نوعیت کے ہیں، اور بہت سے احکام انفرادی نوعیت کے ہیں، بہت سے احکام کا خطاب پوری جماعت سے ہے، اور بہت سے احکام کا خطاب ہر ایک فرد سے علیحدہ علیحدہ ہے ـــــ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی احکام میں اجتماعیت اور انفرادیت دونوں کے درمیان ایک مخصوص توازن ہے، اس توازن کو قائم رکھا جائے تو اسلامی تعلیمات پر یکساں طور پر عمل ہوتا ہے، اور اگر ان میں سے کسی ایک کو یا تو نظر انداز کر دیا جائے، یا کسی پر ضرورت سے زیادہ زور دیا جائے اور دوسرے کی اہمیت کو کم کر دیا جائے تو اس سے اسلام کی صحیح تطبیق سامنے نہیں آسکتی، اجتماعیت اور انفرادیت کے درمیان جو توازن ہے ہم نے اس توازن میں اپنے عمل اور اپنی فکر سے ایک خلل پیدا کر دیا ہے اور اسکے نتیجے میں ہم نے ترجیحات کی ترتیب الٹ دی ہے۔

سیکولرازم کی تردید

ایک زمانہ وہ تھا جس میں سیکولرازم کے پروپیگنڈے کی وجہ سے لوگوں نے اسلام کو مسجد اور مدرسے اور نماز، روزے اور عبادات تک محدود کر لیا تھا، یعنی اسلام کو اپنی انفرادی زندگی تک محدود سمجھ لیا تھا، اور سیکولرازم کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ مذہب کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے، انسان کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کسی مذہب کے تابع نہیں ہونی چاہئے، بلکہ وہ مصلحت وقت کے تابع ہونی چاہئے ـــــ اس غلط فلسفے اور غلط فکر کی تردید کیلئے ہمارے معاشرے کے اندر

اہل فکر کا ایک بڑا طبقہ وجود میں آیا، جس نے اس فکر کی تردید کرتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا کہ اسلام کے احکام عبادات، اخلاق اور صرف انسان کی انفرادی زندگی کی حد تک محدود نہیں، بلکہ وہ احکام زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہیں، اسلام میں اجتماعیت پر بھی اتنا ہی زور ہے، جتنا انفرادیت پر ہے۔

اس فکری تردید کا نتیجہ

لیکن ہم نے اس فکر کی تردید میں اجتماعیت پر اتنا زیادہ زور دیا کہ اسکے نتیجے میں انفرادی احکام پس پشت چلے گئے، اور نظرانداز ہوگئے، یا کم از کم عملی طور پر غیر اہم ہو کر رہ گئے ــــ مثلاً ایک نقطہ نظر یہ تھا کہ دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں،

"دع ما لقیصر لقیصر وما للہ للہ"

یعنی جو قیصر کا حق ہے، وہ قیصر کو دو، جو اللہ کا حق ہے، وہ اللہ کو دو، گویا کہ دین کو سیاست میں لانے کی کوئی ضرورت نہیں، اور اس طرح دین کو سیاست سے دیس نکالا دیدیا گیا۔

ہم نے اسلام کو سیاسی بنا دیا

اس غلط نقطہ نظر کی تردید میں ایک اور فکر سامنے آئی، جس نے دین کے سیاسی پہلو پر اتنا زیادہ زور دیدیا کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ دین کا مطمح نظر ہی ایک سیاسی نظام کا قیام ہے ـــــ یہ بات اپنی جگہ غلط نہیں تھی کہ سیاست بھی ایک ایسا شعبہ ہے جسکے بارے میں اسلام کے مخصوص احکام ہیں لیکن اگر اس بات کو یوں کہا جائے کہ دین درحقیقت سیاست ہی کا نام ہے، یا سیاسی نظام کا نفاذ دین کا اولین مقصد ہے تو اس سے ترجیحات کی ترتیب الٹ جاتی ہے، اگر ہم اس فکر کو تسلیم کر لیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم نے سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو

سیاسی بنادیا، اور دین میں انفرادی زندگی کا جو حسن و جمال تھا اور رعنائی تھی، اس سے ہم نے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی

نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے، آپ کی ۲۳ سال کی نبوی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہے ایک مکی زندگی، اور دوسری مدنی زندگی، آپ کی مکی زندگی ۱۳ سال پر محیط ہے، اور مدنی زندگی دس سال پر محیط ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو اگر آپ دیکھیں تو یہ نظر آئیگا کہ اس میں سیاست نہیں، حکومت نہیں، قتال نہیں، جہاد نہیں، یہاں تک کہ تھپڑ کا جواب تھپڑ سے بھی نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص تم پر ہاتھ اٹھا رہا ہے تو تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا ہے۔ "واصبرو ما صبرک الا باللہ" ۔ حالانکہ مسلمان کتنے ہی کمزور سہی، تعداد کے اعتبار سے کتنے ہی کم سہی، لیکن اتنے بھی گئے گزرے نہیں تھے کہ اگر دوسرا شخص دو ہاتھ مار رہا ہے تو اسکے جواب میں ایک ہاتھ بھی نہ مار سکیں، یا کم از کم مارنے والے کا ہاتھ بھی نہ روک سکیں، لیکن وہاں حکم یہ ہے کہ صبر کرو۔

مکہ میں شخصیت سازی ہوئی

یہ حکم کیوں دیا گیا؟ اسلئے کہ اس پوری مکی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ ایسے افراد تیار ہوں جو آگے جاکر اسلامی معاشرے کا بوجھ اٹھانے والے ہوں۔ تیرہ سالہ مکی زندگی کا خلاصہ یہ تھا کہ ان افراد کو بھٹی میں۔ ملگا کر ان کے کردار، ان کی شخصیت، ان کے اعمال اور اخلاق کی تطہیر اور تزکیہ کیا جائے، ان تیرہ سال کے اندر اسکے علاوہ کوئی کام نہیں تھا کہ ان افراد کے اخلاق درست ہوں، ان کے

عقائد درست ہوں، ان کے اعمال درست ہوں، ان کا کردار درست ہو، اور ان کی بہترین سیرت کی تعمیر ہو، ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو جائے، تعلق مع اللہ کی دولت ان کو نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔

شخصیت سازی کے بعد کیسے افراد تیار ہوئے؟

تیرہ سال تک یہ کام ہونے کے بعد پھر مدنی زندگی کا آغاز ہوا، جس میں اسلامی ریاست بھی وجود میں آئی ہے، اسلامی قانون بھی اور اسلامی حدود بھی نافذ ہوتی ہیں، اور ایک اسلامی ریاست کے جتنے لوازم ہوتے ہیں، وہ سب وجود میں آتے ہیں۔ لیکن ان تمام لوازم کے ہونے کے باوجود چونکہ ان افراد کو ایک مرتبہ ٹریننگ کورس سے گزارا جا چکا تھا، اسلئے کسی فرد کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ ہمارا مقصد محض اقتدار حاصل کرنا ہے، بلکہ اقتدار کے باوجود ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا تھا، اور وہ لوگ اقامت دین کی جدو جہد میں جہاد اور قتال میں لگے ہوئے تھے، ان کا یہ حال تاریخ میں لکھا ہے کہ یرموک کے میدان میں پڑے ہوئے صحابہ کرام کے لشکر پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غیر مسلم نے اپنے افسر سے کہا کہ یہ بڑے عجیب لوگ ہیں کہ " رھبان باللیل وفرسان بالنھار " یعنی دن کے وقت میں یہ لوگ بہترین شہسوار ہیں، اور شجاعت اور جوانمردی کے جوہر دکھانے والے ہیں، اور رات کے وقت میں یہ بہترین راہب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں، اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں ـــــ حاصل یہ کہ صحابہ کرام دو چیزوں کو ساتھ لیکر چلے، ایک جدو جہد عمل، اور دوسرے تعلق مع اللہ، یہ دونوں چیزیں ایک مسلمان کی زندگی کیلئے لازم اور ملزوم ہیں، اگر ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا کیا جائیگا تو اسلام کی صحیح تصویر سامنے نہیں آئیگی۔

ہم لوگ ایک طرف جھک گئے

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ چونکہ اب ہم اعلیٰ اور ارفع مقام کیلئے نکل کھڑے ہوئے ہیں، ہم نے جہاد شروع کر دیا ہے، اور پوری دنیا پر اسلام کا سکہ بٹھانے کیلئے جدوجہد شروع کر دی ہے، لہٰذا ہمیں اب تہجد پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اب ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے کی کیا حاجت ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار کرنے اور اسکی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کسی بھی صحابی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا، بلکہ انہوں نے ان سب چیزوں کو باقی رکھتے ہوئے جدوعمل کا راستہ اختیار کیا ــــــ لیکن ہم نے جب سیاسی اقتدار حاصل کرنے کیلئے جہد و عمل کے راستے کو اپنایا، اور سیکولرازم کی تردید کرتے ہوئے سیاست کو اسلام کا ایک حصہ قرار دیا تو اس پر اتنا زور دیا کہ دوسرے پہلو ــــــ یعنی رجوع الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے، اسکے حضور رونے اور گڑگڑانے، اسکے حضور جبین نیاز ٹیکنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے حلاوت حاصل کرنے کے پہلو کو یا تو فکری طور پر، یا کم از کم عملی طور پر نظرانداز کر گئے، اور ہم نے اپنے ذہنوں میں یہ بٹھالیا کہ اب ہمیں اسکی ضرورت نہیں، اسلئے کہ ہم تو اس سے ارفع اور اعلیٰ مقاصد کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں لہٰذا شخصی عبادت ایک غیر اہم چیز ہے، جسے اس اعلیٰ اور ارفع مقصد پر قربان کیا جا سکتا ہے، یا کم از کم اسکی طرف سے غفلت برتی جا سکتی ہے۔

ہم فرد کی اصلاح سے غافل ہو گئے

لہٰذا اجتماعیت پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کے نتیجے میں فرد کے اوپر جو احکام اللہ تعالیٰ نے عائد فرمائے تھے، ہم ان سے فکری یا عملی طور پر پہلو تہی شروع کر دیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کے دور میں اٹھنے والی بیداری کی تحریکیں بڑے اخلاص اور جذبے کے ساتھ اسلام کو نافذ کرنے کیلئے کھڑی ہوتی ہیں، لیکن

چونکہ یہ دوسرا پہلو نظر انداز ہو جاتا ہے، اس وجہ سے وہ تحریکیں کامیاب نہیں ہوتیں ـــــ دیکھئے، قرآن کریم نے واضح طور پر بیان فرمادیا ہے کہ

"اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی نصرت، فتح اور ثابت قدمی کو "ان تنصروا اللہ" کے ساتھ مشروط کیا ہے، اور رجوع الی اللہ کے ساتھ مشروط کیا ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اس وقت آتی ہے جب انسان کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے، اگر وہ رشتہ کمزور پڑ جائے تو پھر وہ انسان مدد کا مستحق نہیں رہتا۔

از دل خیزد، بر دل ریزد

جو اسلامی تعلیمات فرد سے متعلق ہیں، وہ تعلیمات انسان کو اس بات پر تیار کرتی ہیں کہ اسکی اجتماعی جدوجہد صاف ستھری ہو، فرد سے متعلق تعلیمات جس میں عبادات، اخلاق قلبی کیفیات سب چیزیں داخل ہیں، اگر انسان ان پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو، اور ان تعلیمات میں اسکی تربیت ناقص ہو، پھر وہ اصلاح معاشرہ کا علم لیکر کھڑا ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکی کوششیں بار آور نہیں ہوتیں ـــ اگر میں ذاتی طور پر اپنے اخلاق، کردار اور سیرت کے اعتبار سے اچھا انسان نہیں ہوں، اور اسکے باوجود میں اصلاح معاشرہ کا علم لیکر کھڑا ہو جاؤں، اور لوگوں کو دعوت دوں کہ اپنی اصلاح کرو، تو اس صورت میں میری بات میں کوئی وزن اور کوئی تاثیر نہیں ہوگی ـــ لیکن جو شخص اپنی ذاتی زندگی کو، اپنی سیرت کو، اپنے اخلاق و کردار کو عبلی اور مصفی بنا چکا ہے اور اپنی اصلاح کر چکا ہے، پھر وہ دوسروں کو اصلاح کی دعوت دیتا ہے تو اسکی بات میں وزن بھی ہوتا ہے، پھر وہ بات صرف کان تک نہیں پہنچتی، بلکہ دل پر جاکر اثر انداز ہوتی ہے ـــ اسلئے جب ہم اپنے اخلاق کو سنوارے بغیر دوسروں کی اصلاح کی فکر لیکر نکل کھڑے ہوتے ہیں

تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب فتنوں کا سامنا ہوتا ہے، اس وقت ہتھیار ڈالتے چلے جاتے ہیں، اور بلند اخلاق و کردار کا مظاہرہ نہیں کرتے، نتیجے میں حب مال، حب جاہ کے فتنوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، پھر آگے چل کر اصل مقصد تو پیچھے رہ جاتا ہے اور کریڈٹ لینے کا شوق آگے آجاتا ہے، پھر ہماری ہر نقل و حرکت کے گرد یہ بات گھومتی ہے کہ کس کام کے کرنے سے مجھے کتنا کریڈٹ حاصل ہوگا؟ جس کے نتیجے میں کاموں کے چناؤ کے بارے میں ہمارے فیصلے غلط ہو جاتے ہیں، اور ہم منزل مقصود تک نہیں پہنچ پاتے۔

اپنی اصلاح کی پہلے فکر کرو

اسی سلسلے میں قرآن کریم کی ایک آیت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے، جو عام طور پر ہماری نظروں سے اوجھل رہتا ہے، آیت کریمہ یہ ہے کہ:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ"

(پ ۷، رکوع ۴)

اے ایمان والو! تم اپنی خبر لو، (اپنے آپ کو درست کرنے کی فکر کرو) اگر تم راہ راست پر آگئے تو جو لوگ گمراہی کے راستے پر جا رہے ہیں وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، وہ اس وقت تم کو بتائیگا کہ تم دنیا میں کیا عمل کرتے رہے۔

روایات میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! یہ آیت تو بتا رہی ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرو، اگر دوسرے لوگ گمراہ ہو رہے ہیں تو ان کی گمراہی تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائیگی، تو کیا ہم دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کریں؟ دعوت و تبلیغ کا کام نہ کریں؟ جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا نہیں ہے، تم تبلیغ و دعوت کا کام کرتے رہو، اسکے بعد آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی:

"اذا رایت شحا مطاعا، وهوى متبعا، ودنيا موثرة، واعجاب كل ذى راى برايه فعليك بخاصة نفسك ودع عنك امر العامة"

جب تم معاشرے کے اندر چار چیزیں پھیلی ہوئی دیکھو، ایک یہ کہ جب مال کی محبت کے جذبے کی اطاعت کی جارہی ہو، ہر انسان جو کچھ کر رہا ہو وہ مال کی محبت سے کر رہا ہو — دوسرے یہ کہ خواہشات نفس کی پیروی کی جارہی ہو، تیسرے یہ کہ دنیا ہی کو ہر معاملے میں ترجیح دی جارہی ہو، اور لوگ آخرت سے غافل ہوتے جارہے ہوں، چوتھے یہ کہ ہر ذی رائے شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے، ہر شخص اپنے آپ کو عقل کل سمجھ کر دوسرے کی بات سننے سمجھنے سے انکار کرے تو تم اپنی جان کی فکر کرو، اپنے آپ کو درست کرنے کی فکر کرو، اور عام لوگوں کے معاملے کو چھوڑ دو۔

بگڑے ہوئے معاشرے میں کیا طرز عمل اختیار کریں؟

اس حدیث کا مطلب بعض حضرات نے تو یہ بیان فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئیگا کہ جب کسی انسان پر دوسرے انسان کی نصیحت کارگر نہیں ہوگی، اسلئے اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ ساقط ہو جائیگا، بس اس وقت انسان اپنے گھر میں بیٹھ کر کہ اللہ اللہ کرے، اور اپنے حالات کی اصلاح کی فکر کرے، اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ــــ دوسرے علماء نے اس حدیث کا دوسرا مطلب بیان کیا ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں اس وقت کا بیان ہو رہا ہے جب معاشرے میں چاروں طرف بگاڑ پھیل چکا ہو، اور ہر شخص اپنی ذات میں اتنا مست ہو کہ دوسرے کی بات سننے کو تیار نہ ہو تو ایسے وقت اپنے آپ کی فکر کرو، اور عام لوگوں کے معاملے کو ژ دو، ــــ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو بالکلیہ ژ دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت "فرد" کی اصلاح کی طرف "اجتماع" کی اصلاح کے مقابلے میں توجہ زیادہ دو، کیونکہ "اجتماع" درحقیقت افراد کے مجموعے ہی کا نام ہے، اگر "افراد" درست نہیں ہیں تو اجتماع "کبھی درست نہیں ہو سکتا، اور اگر "افراد" درست ہیں تو اجتماع خود بخود درست ہو جائیگا۔ لہٰذا اس بگاڑ کو ختم کرنے کا طریقہ درحقیقت انفرادی اصلاح اور انفرادی جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے میں ہے، جس سے شخصیتوں کی تعمیر ہو، اور جب شخصیتوں کی تعمیر ہوگی تو معاشرے کے اندر خود بخود ایسے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوگا جو خود بااخلاق اور باکردار ہونگے، جس کے نتیجے میں معاشرے کا بگاڑ رفتہ رفتہ ختم ہو جائیگا۔ لہٰذا یہ حدیث دعوت و تبلیغ کو منسوخ نہیں کر رہی، بلکہ اس کا ایک خود کار طریقہ بتا رہی ہے۔

ہماری ناکامی کا ایک اہم سبب

بہر حال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہماری ناکامیوں کا بڑا اہم سبب میری نظر

میں یہ ہے کہ ہم نے اجتماع کو درست کرنے کی فکر میں فرد کو کھو دیا ہے، اور اس فکر میں کہ ہم پورے معاشرے کی اصلاح کریں گے، فرد کی اصلاح کو بھول گئے ہیں، اور فرد کو بھولنے کے معنی یہ ہیں کہ فرد کو مسلمان بننے کیلئے جن تقاضوں کی ضرورت تھی، جس میں عبادات بھی داخل ہیں، جس میں تعلق مع اللہ بھی داخل ہے، جس میں اخلاق کا تزکیہ بھی داخل ہے، اور جس میں ساری تعلیمات پر عمل بھی داخل ہے، وہ سب پیچھے جا چکے ہیں، لہٰذا جب تک ہم اسکی طرف واپس لوٹ کر نہیں آئیں گے، اس وقت تک یہ تحریکیں اور ہماری یہ ساری کوششیں کامیاب نہیں ہو ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لن یصلحوا امر ھذہ الامۃ بما صلحوا بہ اولھا

اس امت کے آخری زمانے کی اصلاح بھی اسی طرح ہوگی جس طرح پہلے زمانے کی اصلاح ہوئی تھی، اس کیلئے کوئی نیا رمولا وجود میں نہیں آئیگا۔ اور پہلے زمانے یعنی صحابہ کرام کے زمانے میں بھی فرد کی اصلاح کے راستے سے معاشرے کی اصلاح ہوئی تھی، لہٰذا اب بھی اصلاح کا وہی ی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

"افغان جہاد" ہماری تاریخ کا انتہائی تابناک باب، لیکن!

آج ہماری توجہ سیاست کی طرف بھی ہے، معیشت کی طرف بھی ہے، معاشرت کی طرف بھی ہے، لیکن فرد کی تعمیر کیلئے اور فرد کی اصلاح کیلئے ادارے نایاب ہیں، ـــــ الا ماشاء اللہ ـــــ اس وجہ سے آج ہماری تحریکیں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں ــ کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر ناکام ہو جاتی ہیں، یہ ناکامی بعض اوقات اس لئے ہوتی ہے کہ یا تو خود ہمارے آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے، اور لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے ــ اسکی ایک افسوس ناک مثال ہمارے سامنے موجود ہے افغان جہاد ہماری تاریخ کا انتہائی تابناک باب ہے جس کے مطالعے سے یہ بات

واضح ہوتی ہے کہ

ع ایسی چنگاری بھی یارب میری خاکستر میں تھی

لیکن کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے بعد جو صورت حال ہو رہی ہے اسکو کسی دوسرے کے سامنے ذکر کرتے ہوئے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔

ے منزل سے دور رھرو منزل تھا مطمئن
منزل قریب آئی تو گھبرا کے رہ گیا

آج جس طرح ہمارے افغان بھائیوں کے اندر خانہ جنگی ہو رہی ہے، اس پر ہر مسلمان کا دل رو رہا ہے، یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اسلئے کہ اس جدوجہد کے جو تقاضے تھے وہ ہم نے پورے نہیں کئے، اگر وہ تقاضے پورے کئے ہوتے تو یہ ممکن نہیں تھا کہ اس منزل پر پہنچنے کے بعد دنیا کے سامنے جگ ھنسائی کا سبب بنتے ـــــ

بہرحال، ساری تحریکیں بالآخر اس مرحلے پر جا کر رک جاتی ہیں کہ ان میں فردی تعمیر کا حصہ نہیں ہوتا اور ان میں شخصیت کو نہیں سنوارا جاتا، جسکی وجہ سے وہ تحریکیں آگے جا کر ناکام ہو جاتی ہیں۔

ہماری ناکامی کا دوسرا اہم سبب

ہماری ناکامی کا دوسرا سبب میری نظر میں یہ ہے کہ اسلام کے تطبیق پہلو پر ہمارا کام یا تو مفقود ہے، یا کم از کم ناکافی ہے، اس سے میری مراد یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم نے اجتماعیت پر اتنا زور دیا کہ عملاً اسی کو اسلام کا کل قرار دیدیا، اور دوسری طرف اس پہلو پر کماحقہ غور نہیں کیا کہ آج کے دور میں اسکی تطبیق کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں نہ تو ہم نے کماحقہ غور کیا اور نہ اس کیلئے کوئی منضبط لائحہ عمل تیار کیا، اور اگر کوئی لائحہ عمل تیار کیا تو وہ ناکافی تھا، میں یہ نہیں کہتا کہ ـــــ خدانہ کرے ـــــ اسلام اس دور میں قابل عمل نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات کسی بشری ذہن کی پیداوار نہیں، یہ اس مالک الملک والملکوت کے

احکام ہیں جسکے علم وقدرت سے زمان ومکان کا کوئی حصہ خارج نہیں، لہٰذا جو شخص اسلام کو اس دور میں ناقابل عمل قرار دے، وہ دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا، لیکن ظاہر ہے کہ اسلام کو اس دور میں برپا اور نافذ کرنے کیلئے کوئی طریق کار اختیار کرنا ہوگا۔ اس طریق کار کے بارے میں سنجیدہ تحقیق اور حقیقت پسندانہ غور وفکر اور تحقیق کی کمی ہے۔

ہر دور میں اسلام کی تطبیق کا طریقہ مختلف رہا ہے

ہم اسلام کیلئے کام کر رہے ہیں، اس کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں، اور اسکے عملی نفاذ کیلئے تحریک چلا رہے ہیں، لیکن تحریک چلانے سے پہلے اور تحریک کے دوران سب کے ذہنوں میں یہ بات ہو کہ اسلام کے نفاذ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن وسنت کو نافذ کر دیں گے۔ اور یہ کہدیا جاتا ہے کہ ہمارے پاس فتاوی عالمگیری موجود ہے، اسکو سامنے رکھ کر فیصلے کر دیئے جائیں گے ـــــ ہم اس معصوم تصور کو ذہنوں میں رکھ کر آگے بڑھتے ہیں، لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ کسی "اصول" کا ابدی ہونا الگ بات ہے، اور مختلف حالات اور مختلف زمانوں میں اس اصول کی تطبیق دوسری بات ہے ـــ اسلام نے جو احکام، جو تعلیمات، جو اصول ہمیں عطا فرمائے، وہ ابدی اور سرمدی ہیں، اور ہر دور کے اندر کار آمد ہیں، لیکن ان کو نافذ کرنے اور برسر کار لانے کیلئے ہر دور، ہر زمانے کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، مثلاً مسجد پہلے بھی بنتی تھی، آج بھی بن رہی ہے، لیکن پہلے کھجور کے پتوں اور شہتیروں سے بنتی تھی، آج سیمنٹ اور لوہے سے بنتی ہے، تو دیکھئے: مسجد بننے کا اصول اپنی جگہ قائم ہے، لیکن اسکے طریق کار بدل گئے، یا مثلاً قرآن کریم نے فرمایا: "واعدوالھم ما استطعتم من قوۃ" یعنی مخالفین کیلئے جتنی قوت ہو سکے تیار کر لو، لیکن پہلے زمانے میں وہ قوت تیز تلوار اور کمان کی شکل میں ہوتی تھی، اور اب وہ قوت بم، توپ، جہاز،

اور جدید اسلحہ کی شکل میں ہے، لہٰذا ہر دور کے لحاظ سے تطبیق کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔

اسلام کی تطبیق کا طریقہ کیا ہو؟

اسی طرح جب اسلامی احکام کو موجودہ زندگی پر نافذ کیا جائیگا تو یقیناً اس کا کوئی طریق کار متعین کرنا ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ تطبیق کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور آج ہم اسلام کے ان ابدی اور سرمدی اصولوں کو کس طرح نافذ کریں گے؟ اسکے بارے میں ہم ابھی تک ایسا سوچا سمجھا لائحہ عمل تیار نہیں کر سکے جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ پختہ طریق کار ہے۔۔۔ اس کیلئے کوششیں بلاشبہ پورے عالم اسلام میں اور خود ہمارے ملک میں ہو رہی ہیں، لیکن کسی کوشش کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حتمی اور آخری ہے۔۔۔ اور چونکہ ایسا لائحہ عمل موجود نہیں ہے اسلئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کسی تحریک کے چلنے کے نتیجے میں فرض کرو اقتدار حاصل بھی ہو گیا تو اسکے بعد اسلام کے احکام اور اصولوں کو پوری طرح نافذ اور برپا کرنے میں شدید مسائل پیدا ہونگے۔

نئی تعبیر کا نقطہ نظر غلط ہے

اس سلسلے میں ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ چونکہ اس دور کے اندر ہمیں اسلام کو نافذ کرنا ہے اور یہ دور پہلے کے مقابلے میں بہت کچھ بدلا ہوا ہے، اسلئے اس زمانے میں اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے کیلئے اسلام کی "نئی تعبیر" کی ضرورت ہے، اور بعض حلقوں کی طرف سے اس نئی تعبیر کا مظاہرہ اس طرح ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اسلام کی طرف سے سند جواز دیدی جائے، مثلاً سود کو حلال قرار دیدیا جائے، "قمار" کو حلال قرار دیدیا جائے، شراب کو حلال قرار دیدیا جائے، بے پردگی کو حلال قرار دیا جائے، گویا کہ اس طرح

ان سب حرام چیزوں کو حلال قرار دینے کیلئے قرآن و حدیث کی نئی تعبیر کی جائے۔

یہ نقطہ نظر غلط ہے اسلئے کہ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جو کچھ آج ہو رہا ہے، وہ سب ٹھیک ہے، اور اسلام کے نافذ ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے، اور جو کچھ مغرب کی طرف سے ہمیں پہنچا ہے وہ جوں کا توں باقی اور جاری رہے، اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اس نقطہ نظر کو درست مان لیا جائے تو پھر "اسلام کے نفاذ" کی جدوجہد ہی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

لہٰذا موجودہ دور میں اسلام کی تطبیق کے طریقے سوچنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسلام پر عمل جراحی شروع کر دیا جائے اور اسمیں کتر بیونت کر کے اسے مغربی تصورات کے سانچے میں ڈھال دیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام اصول اور احکام اپنی جگہ باقی رہیں، ان کے اندر کوئی تبدیلی نہ کی جائے، لیکن یہ بات طے کی جائے کہ جب ان اصولوں کو اس دور میں برپا کیا جائیگا تو اس صورت میں اس کا عملی طریق کار کیا ہوگا؟ مثلاً تجارت کے بارے میں تمام فقہی کتابوں میں اسلامی اصول اور اسلامی احکام بھرے ہوئے ہیں، لیکن موجودہ دور میں تجارت کے جو نت نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ان کا صریح جواب موجود نہیں، ان مسائل کا جواب قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے مسلم اصولوں کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا، اس بارے میں ابھی ہمارا کام ادھورا اور ناقص ہے، جب تک اس کام کی تکمیل نہیں ہو جاتی، اس وقت تک ہم پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔۔۔ اسی طرح سیاست سے متعلق بھی اسلامی احکام اور اصول موجود ہیں، لیکن ہمارے دور میں جب ان اسلامی احکام کو نافذ کیا جائیگا تو اسکی عملی صورت کیا ہوگی؟ اس بارے میں بھی ہمارا کام ابھی تک ناقص اور ادھورا ہے اس نقص کی وجہ سے بھی ہم بعض اوقات ناکامیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال میری نظر میں مندرجہ بالا دو بنیادی سبب ہیں ، اور دونوں کا تعلق درحقیقت فکری اسباب سے ہے ۔ پہلا سبب : فرد کی اصلاح اور شخصیت کی تعمیر کی طرف سے غفلت اور اس اصلاح کے بغیر اجتماعی امور میں داخل ہو جانا ۔ دوسرا سبب : اسلام کے تطبیقی پہلو پر جس سنجیدگی اور متانت سے تحقیق کی ضرورت ہے ۔ اس کا ناکافی ہونا ۔ یہ دو اسباب ہیں اگر ہم ان کو سمجھنے میں کامیاب ہو جائیں اور ان کے ازالے کی فکر ہمارے دلوں میں پیدا ہو جاتے اور ہم ان کا بہتر طور پر ازالہ کر سکیں تو پھر ہے کہ انشاء اللہ پوری ہوں گی ، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ دن دکھائے جب یہ بیداری کی تحریکیں صحیح معنی میں کامیاب ہوں ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ